جو پھول راہ کی دھول تھے

عفت سحر طاہر

اکتوبر کے اوائل میں دن تیزی سے سمٹنے اور راتیں بڑھنے لگی تھیں۔ وہ رات جو ادھر آنکھ لگی اور ادھر ختم ہوئی کی تفسیر بنی ہوئی تھی، اب آتی تو یوں لگتا جیسے ختم ہی نہ ہوگی۔ آٹھ بجے تک عشاء کی نماز سے فارغ ہو جانے کے بعد زنیہ کو لگتا اس پر امتحان کی گھڑی آن پہنچی ہے۔

جوانی کی نیند تو بہت بدمست اور مدہوشی سے بھرپور ہوتی ہے پھر کیوں اسے رات شروع ہوتے ہی خوف اور واہمے گھیرنے لگتے تھے۔

وہ کتنی ہی دیر بے چینی سے کروٹیں بدلتی رہی۔ دل تھا کہ کسی طور چین ہی نہ لے رہا تھا، اور آنکھ۔۔۔ آنکھ تھی کہ خشک ہی نہ ہوتی تھی۔

"یا خدا۔ اے میرے خدا! میں تجھ سے کچھ نہیں مانگتی۔ بس ایک اسجد۔۔۔" وہ خود پہ قابو پاتے ہوئے تکیے میں منہ دبائے سسک اٹھی اور باہر سیاہ رات دھیرے دھیرے گزرنے لگی۔ کسی کی مجبوری، کسی کی بے بسی کا خیال کیے بغیر۔

☼ ☼ ☼

"لڑکیاں تو اپنی شادی کی خبر سن کے کھل اٹھتی ہیں، ذرا اس کی شکل دیکھو جیسے شادی نہ ہوئی کوئی سزا سنادی ہم نے اسے۔" آپا کے آتے ہی امی جس طرح شروع ہوئیں زنیہ اور بھی پژمردہ ہونے لگی۔

"ٹھیک ہو جائے گی امی جی! جو لڑکیاں اپنے میکے سے زیادہ اٹیچ ہوتی ہیں ان کے ساتھ یہ ہی مسئلہ ہوتا ہے۔ خوامخواہ کی ٹینشن لے لیتی ہیں۔" آپا نے ایک

مکمل ناول

تیکھی نظر کتاب سامنے رکھے خاموش بیٹھی زینیہ پر ڈالتے ہوئے امی کو تسلی دی۔

"ٹینشن لے لیتی ہیں یا دے دیتی ہیں؟" امی نے تیز لہجے میں کہا۔

"جب سے شادی کی تاریخ طے ہوئی ہے مجال ہے جو اس نے ایک بھی کام میں خود سے بڑھ کے دلچسپی لی ہو۔ تم بھی روز روز سسرال سے نہیں آسکتیں' میں اکیلی جان کہاں تک دیکھوں؟"

"چلیں۔ کر لینے دیں عیش' ویسے بھی اس بار میں پورے ہفتے کے لیے آئی ہوں۔ جتنی ہو سکی تیاری کروا کے جاؤں گی۔" آپا نے انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"دیکھو کوئی شوخ اور بھڑکیلے سے کپڑے نہیں لینے کسی کے۔ پڑھی لکھی فیملی ہے' سب ہی بہت ڈیسنٹ اور سوبر سے ہیں۔ بس اسی کو سامنے رکھ کے شاپنگ کرنی ہے۔" امی کچھ ٹھنڈی پڑ ہی گئیں۔

ان کی گفتگو کو ایک ہی ٹریک پہ چلتا دیکھ کے زینیہ کا دل بھر سا گیا۔

"کہنے کو یہ میری ماں۔ مجھے جنم دینے والی' میری رگ رگ سے واقف اور یہ میری ماں جائی جس سے کوئی خوشی' کوئی غم میں نے کبھی نہیں چھپایا اور اب یہ دونوں سب جانتے بوجھتے ایسے انجان بن رہی ہیں جیسے مجھے۔ میری خواہش کو جانتی ہی نہیں۔" وہ کتاب بند کرتی اٹھ گئی۔

"کل سے تم بھی ہمارے ساتھ بازار جاؤ گی۔ اپنی شاپنگ تم اپنی پسند سے کر لینا۔" آپا کو وہ نظر آ ہی گئی تھی۔

"ہونہہ۔" اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی۔ "پسند؟ میری پسند کا کیا ہے آپا! شادی آپ کی پسند سے' لوگ آپ کی پسند کے تو پھر کپڑے میری پسند کے کیا معنی رکھتے ہیں۔ صرف آپ لوگوں کے شو کو کامیاب کرنے کے لیے؟" وہ اس قدر کڑوا بولے گی یہ نہ تو امی کے ذہن میں تھا اور نہ ہی آپا کے۔ پہلے تو وہ ششدر رہی رہ گئیں۔

"بہت اچھا۔ تم آرام سے گھر بیٹھو۔ میں اور امی خود ہی سب کچھ کر لیں گے۔" آپا نے تیزی سے ہاتھ ہلا کر امی کو کچھ بھی بولنے سے روکا اور قطعیت سے بولیں تو وہ پاؤں پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

"دیکھ رہی ہو اس کی حرکتیں۔" امی نے جانے اپنے غصے کو کیسے جتن سے کنٹرول کیا تھا اس کے جاتے ہی پھٹ پڑیں۔

"اوفوہ امی! کچھ حوصلہ وہ آزما رہی ہے' کچھ آپ آزمائیں گی' تبھی بات آگے بڑھے گی نا!" آپا نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی تو وہ اور بگڑنے لگیں۔

"وہ اپنا نہیں میرا حوصلہ آزما رہی ہے۔ غضب خدا کا' ماں' باپ نہ ہوئے دشمن ہو گئے اس کے۔ مانا کہ بات طے تھی اس کی اسجد سے۔ مگر منہ زبانی ہی نا' کون سا نکاح توڑا ہے ہم نے خدانخواستہ...."

"پھر بھی پانچ سال ہو گئے تھے بات ہوئے۔ کچھ تو اثر لینا ہی تھا اس نے۔ اور باقاعدہ منگنی تھی۔ منہ زبانی بات پانچ سال تو نہیں رہتی نا!" آپا نے زینیہ کا دفاع بھی بہت کمزور لہجے میں کیا۔ اس گھر میں جو مقام امی اور ابو کا تھا اسے چیلنج کرنے کی جرأت کسی میں نہ تھی۔ بلکہ ابو کے رعب تک تو بعد میں بات پہنچتی پہلے ہر معاملہ امی کے کورٹ میں ایرو ہوتا تھا۔

"فضول باتیں مت کرو فاریہ۔ ایسی کمزور سوچ کی ہے یہ لڑکی۔ ہم نے بات طے کی تھی' ہم نے ختم کر دی۔ وہ تین میں نہ تیرہ میں۔ خوامخواہ اثر لیے بیٹھی ہے۔" انہوں نے اپنی سی کہہ کر برہمی سے سر جھٹکا۔

"اچھا چھوڑیں امی کل کو جب اپنے گھربار والی ہو جائے گی تو ہنسے گی اپنی ماضی کی بے وقوفی پر اور ویسے بھی کامران کافی اچھا بندہ لگتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کے یہ کہ اتنی پڑھی لکھی فیملی' تینوں بھائی پڑھے لکھے' بہنیں بھی لائق فائق اور بھابیاں بھی' اس کا مزاج مل گیا کامران کے ساتھ تو پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں۔" آپا اور زینیہ کے بیچ قاسم تھا۔ اس طرح وہ آپا سے پانچ

سال چھوٹی، یعنی پانچ سال کے فاصلے پر بھی۔ یہ فاصلہ دو، چار سال کم ہوتا تو شاید وہ زنیرہ کو زیادہ جان پاتیں۔
دل پہ لکھی تحریریں کسی ربڑ سے مٹائی جا سکتیں تو پھر رونا کاہے کا تھا۔ وہ بھی دل پہ لکھا اسجد کا نام مٹا کر آرام سے کامران کا نام چڑھا لیتی۔
مگر کوئی بھی تو ربڑ نہیں تھا ایسا۔ یہاں آ کر سائنس فیل ہو گئی تھی۔
آپا کی باتوں نے امی کو وقتی طور پر بہلا دیا، مگر زنیرہ سے وہ کچھ زیادہ خوش نہ تھیں۔ سب سے چھوٹی ہونے کے باعث وہ ان کے رعب میں تھی اور لاڈلی بھی۔ ان معنوں میں کہ تقریباً ہر فرمائش ہی پوری کی جاتی تھی کہ معاشی حالات اچھے تھے اور اب جب موقع آیا تھا تو...
پچھلے برآمدے کی ٹھنڈی سیڑھی پر بیٹھے گھٹنوں پر سر رکھے وہ آبدیدہ تھی۔ پانچ سالوں سے وہ ایک ہی شخص کا نام اپنے نام کے ساتھ سنتی چلی آ رہی تھی۔ اور وہ شخص تھا ہی اس قابل کہ وہ اس کی ہمراہی پر فخر کرتی۔ خوشنما آنکھوں والا وہ شخص... کیسے دنوں میں اس کے دل میں گھر کر گیا تھا۔ اس نے آنکھیں موندیں تو کتنے ہی آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر اس کے رخسار بھگونے لگے۔ بند پلکوں تلے کئی سہانے منظر جاگ اٹھے تھے۔

☼ ☼ ☼

فقط پانچ سال پہلے ہی کی بات تھی۔ جب گھر بھر میں لاڈلے بیٹے عاصم کی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے۔
تب زنیرہ ایف اے کے ایگزیمز سے فارغ ہوئی تھی اور ساتھ ہی گھر میں بلکہ اس کے ہوش میں یہ پہلا بڑا فنکشن ہو رہا تھا۔ فاریہ کی شادی ایف اے کے فوراً بعد ہی ہو گئی تھی، گریجویشن اور پھر پوسٹ گریجویشن کی ڈگری اس نے شادی کے بعد لی تھی۔
"دادی اماں کو میں مہینہ پہلے ہی گھر لے آؤں گا۔"
عاصم دادی کا بھی لاڈلا رہا تھا۔ یہ تو عافیہ بیگم یعنی اس کی ماں ہی ان کے ساتھ نہ رہ پائی تھی اور ان کے سب سے بڑے نورِ نظر شبیر احمد کو لے کر بڑے ٹھاٹھ سے الگ گھر میں آن بسیں۔ سچی بات تو یہ تھی کہ بچوں میں سے کسی کا بھی دادی کے گھر کے بغیر گزارا نہیں تھا۔ مگر جب باپ ہی اس بات کو سمجھ نہیں پا رہا تھا تو وہ ماں کا شکوہ کیا کرتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو غلط فہمیوں میں ڈھال کر شوہر کے دل کو انہوں نے اچھی طرح بھر دیا تو پھر نتیجہ علیحدہ گھر کی صورت میں نکلا، جہاں عافیہ بیگم نے ٹھسے سے اپنی حکومت چلائی۔ شوہر کو انہوں نے ابھی تک اپنی آنکھوں دیکھی اور کانوں سنی تک رکھا ہوا تھا۔ جو وہ کہتیں اسی کے مطابق وہ فیصلہ جاری کرتے تھے۔
اور اب عاصم کی یہ ضد... انہیں قطعی نہ بھائی۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے گھر کو لوگوں سے بھرنے کی۔" انہوں نے تیز لہجے میں کہا تو عاصم نے احتجاج کیا۔
"واٹ لوگ امی؟ میں دادی اماں کی بات کر رہا ہوں، ہمارے باپ کی ماں۔" اس کے برا ماننے جانے پر وہ سنبھلیں۔
"میرے کہنے کا مطلب ہے کہ ابھی نئے سرے سے گھر کی سیٹنگ اور پینٹ وغیرہ ہونے ہیں۔ اس گھر میں رہ کر ہی ہم نے یہ سب کرانا ہے، ایسے میں انہیں کہاں سنبھالتے پھریں گے۔ اچھا لگے گا ایک سے دوسرے، دوسرے سے تیسرے کمرے میں شفٹ کرتے۔" انہوں نے گویا بات ہی ختم کر دی۔ اب پتا نہیں یہ منطق عاصم کے دل کو لگی یا نہیں، بہرحال وہ خاموش ہو گیا تھا۔
اس کے بعد گھر کی سیٹنگ بھی تبدیل ہو گئی اور پینٹ ڈسٹمپر کا کام بھی پار لگا۔ مگر دادی اماں شادی سے محض ایک ہفتہ پہلے ہی آئیں۔ وہ بھی عاصم کے پُرزور اصرار پر۔

☼ ☼ ☼

"زنیرہ! میں صدقے جاؤں، ادھر تو آ میری بچی۔ ماشاءاللہ کتنی پیاری لگ رہی ہے۔ ادھر آ نظر اتار دوں۔

میں۔" وہ مہندی والے روز تیار ہو کے آئی ہی تھی جب دادی اماں نے اس کی بلائیں لیتے ہوئے پتا نہیں کیا کچھ پڑھ کے اس پر پھونکا۔ کندن کے دیدہ زیب کام سے سجا پیچ کلر کا لہنگا اس کے الھڑ روپ کو چار چاند لگا رہا تھا۔

"کیا کر رہی ہیں دادی اماں! میں نے تو میک اپ بھی نہیں کیا۔" وہ شرما کر کسمسائی۔

انہوں نے اس کی ادا پر واری جاتے ہوئے اس کی پیشانی چوم لی۔

"میری شہزادی کو ان مصنوعی چیزوں کی ضرورت ہی کہاں ہے؟"

وہ بڑی بے تابی سے اپنے پوتے کا انتظار کر رہی تھیں۔

"خدا کے لیے دادی اماں! مجھے امتحان میں مت ڈالیں۔ تائی جان سے بہت ڈرتا ہوں میں۔" وہ اسے عاصم کی شادی میں شرکت کی پُرزور دعوت دے رہی تھیں، جس کے جواب میں وہ فون پر ڈرنے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔

"جتنا ہم لوگ بندوں سے ڈرتے ہیں اتنا خدا سے ڈرنے لگیں تو بخشے جائیں۔" وہ ناراض ہوئیں تو وہ خوب ہی ہنسا۔

"بس۔ میں کچھ نہیں جانتی تُو شادی پہ آرہا ہے۔" انہوں نے اپ کے رعب جمایا۔ یہ شادی سے دو روز پہلے کی بات تھی۔

"می آرہی ہیں، بلکہ سبھی گھر والے۔ ایسے میں میری کیا ضرورت ہے بھلا۔" وہ کنی کترا رہا تھا۔ عافیہ بیگم کی طنزیہ گفتگو اور لیے دیے انداز سے بھی گھبراتے تھے اوپر سے جس طرح وہ الگ ہوئی تھیں، وہ بات کسی کو نہ بھولتی تھی۔ دادی اماں کے دکھ کو سب اپنا دکھ مانتے تھے۔

"تو بھلا۔ ہر کسی کی اپنی جگہ ہوتی ہے۔ تم نہ آئے تو تمہاری کمی اپنی جگہ۔" وہ خفا ہوئیں۔

"مسئلہ کیا ہے دادی اماں! سیدھی بات بتائیں۔

آپ جانتی ہیں۔ نیا نیا ڈاکٹر بنا ہوں، چھٹی ملنا بہت مشکل ہے۔" لمحہ بھر خاموش رہنے کے بعد وہ مصالحانہ انداز میں بولا تو کچھ سوچنے کے بعد وہ رازداری سے بولیں۔

"ایک لڑکی دکھانی ہے تجھے۔"

کیوں۔ کیا مرض ہے اسے؟" وہ چونکا۔

"اللہ نہ کرے۔" وہ دہل کر بولیں اور اسے ڈانٹ دیا۔

"سوچ سمجھ کر بولا کرو۔"

"اب ڈاکٹر ہوں تو ڈاکٹری نظر ہی سے سوچوں گا۔" وہ ہنسا۔ اس کی ہاؤس جاب مکمل ہونے والی تھی۔

"اچھا سنجیدگی سے میری بات سنو۔ نزہیہ کو دکھانا ہے۔" وہ بالآخر بول ہی گئیں۔

"اسے کیا ہوا ہے؟" حیران ہو کر وہ پھر سے کہہ گیا پھر ان کے ڈر سے فوراً ہی بولا۔

"میرا مطلب ہے کہ خیر تو ہے۔ سالوں ہمارے ساتھ رہ کے گئی ہے وہ دیکھی بھالی ہے۔"

"تو۔ اس دیکھی بھالی کو تو تین سال ہونے کو آئے۔ تب نویں جماعت میں تھی، اور اب بارہ پڑھ چکی ہے۔" وہ تفاخر سے بولیں تو اسے ہنسی آئی۔

"واہ۔ بڑا تیر مارا ہے۔"

"مذاق اڑا رہے ہو؟"

"ارے نہیں دادی اماں! ابھی کوئی بھی لڑکی جو تین سال پہلے نویں میں ہوتی اب تک وہ بھی بارہ پڑھ چکی ہوتی۔ آپ کی پوتی نے کیا کمال کر لیا بھلا۔"

"بے وقوف! شکل و صورت، رنگ ڈھنگ کی بات کر رہی ہوں۔" انہوں نے بلا تکلف اسے لتاڑا پھر شہد آگیں لہجے میں بولیں۔

"اتنی نازک، اتنی پیاری، طبیعت اس سے زیادہ میٹھی۔"

"ہو گی۔ بلکہ وہ پہلے بھی ایسی ہی تھی۔" اسجد کو تین سال پہلے والی چودہ سالہ نزہیہ یاد آئی۔ جو اپنے بہن بھائیوں میں سب سے پیاری اور اتنی ہی ڈرپوک سی

تھی۔

"ایک تو میں تمہاری اس بحث کرنے والی عادت سے بہت تنگ ہوں۔ آ لینے دو تمہارے باپ کو ایک کی دس نہ بتائیں تو کہنا۔" انہیں غصہ آگیا۔ اپنے تئیں وہ اسے اتنی اہم معلومات دے رہی تھیں اور وہ کسی کھاتے میں نہیں لے رہا تھا۔

"اچھا سوری۔ کان پکڑتا ہوں۔ بلکہ کہتی ہیں تو مرغا بن کے حاضری دوں گا آپ کے پوتے کی شادی میں۔" وہ شرارت سے بولا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ سیدھے سیدھے انسانوں کی طرح آؤ۔ اچھے سے کپڑے پہن کے 'زنو' کو بھی تمہیں دکھانا ہے نا!" ان کے کہنے پر وہ ٹھٹکا۔

"یہ کون سی نئی رسم نکلی ہے دادی اماں؟"

"دادی کا اتنا تو مان رکھو گے نا۔ وہ تمہارے ساتھ بہت اچھی لگے گی۔" وہ معصومیت سے بولیں، اسجد خاموش رہ گیا۔

"شبیر کو میں باندھ کے نہ رکھ سکی۔ مگر ہمیں بیٹی دے کے ہم سے بندھ جائے گا تو اسی بہانے کبھی کبھار اس کی شکل دیکھ لیا کروں گی۔" بیٹے کے ذکر پر وہ آبدیدہ ہونے لگیں۔

"وہ بہت چھوٹی ہے مجھ سے دادی اماں!" اسے درحقیقت کوئی بہانہ نہ سوجھا تھا۔

"نہ میرے بچے! اتنی اچھی اٹھان ہے اس کی رنگ، روپ، قد کاٹھ سب تیرے ساتھ جچنے والا ہے بچو!" وہ جو ٹھان چکی تھیں ان کے لہجے سے جھلک رہا تھا۔ اسجد گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ دادی اماں کے لب و لہجے کا یہ مان کہ اسجد ان کی بات ہر صورت مانے گا اس کے ماں باپ کا دیا ہوا تھا۔ یقیناً امی اور ابو اس بات پر راضی تھے، تب ہی دادی اماں اسے اوپن آفر کر رہی تھیں۔ اور خود تو وہ ان کا فرماں بردار تھا ہی۔

"لو کے۔ اب جبکہ آپ مجھے پھانسنے کا ارادہ کر ہی چکی ہیں تو میں بے چارہ کیا کر سکتا ہوں، سوائے سرنڈر کرنے کے۔"

"نہیں... سلنڈر... کا ہے کا سلنڈر؟" دادی اماں اتنی حیرانی سے پوچھنے لگیں کہ اسجد کو اپنے قہقہے پر قابو پانا محال ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

دادی اماں سے عافیہ بیگم کی کم ہی بنتی تھی، وجہ یہ کہ بڑے بزرگوں کی طرح دادی اماں کو بھی اپنے بچوں کو اچھے اور مفید مشورے اور نصیحتیں دینے کا شوق تھا مگر کیا کیا جائے جب بچوں کو اس کی قدر ہی نہ ہو۔ مگر بظاہر وہ دادی اماں کے سامنے بالکل چپ رہتیں، البتہ شبیر احمد تک اپنے الفاظ میں ہر بات پہنچانے سے ہرگز نہ چوکتی تھیں۔

"یہ میں ہی ہوں، جو برداشت کر رہی ہوں شبیر!"

شدید غصے کے عالم میں وہ یہ بات جتانا ہرگز نہ بھولتی تھیں۔

"وہ کون سا ہمیشہ کے لیے ہمارے ساتھ رہنے آگئی ہیں' شادی کے دن گزار کر واپس چلی جائیں گی۔" شبیر احمد بھی یوں بولے جیسے کسی اور کی ماں کے متعلق گفتگو ہو رہی ہو۔

مگر عاصم' زینیہ اور قاسم کی تو موجیں ہو گئی تھیں۔ وہ تینوں ہی دادی کے لاڈلے تھے اور ان کی آمد پر خوش تھے۔ ناشتے میں دادی کے ہاتھ سے بنے مکھن کے پراٹھے اور چائے کے ساتھ کوئی نہ کوئی حلوہ۔ اس عمر میں بھی وہ بچوں کے لیے کمر کس کے کچن میں گھس جاتی تھیں۔ عافیہ بیگم اپنے کچن میں انہیں پاکر خون کے گھونٹ بھر کے رہ جاتی تھیں۔ بچوں کو البتہ گھر کتی۔

"کیا امی! اتنے عرصے کے بعد تو اتنی مزے کی چیزیں کھا رہے ہیں۔" عاصم منہ پھٹ تھا۔

"وہ ہر شے الٹ پلٹ کر دیتی ہیں۔ میرے کچن کا انہیں کیا پتا' کون سی چیز کہاں رکھنی ہے۔" وہ اپنے غصہ پر قابو پا کر بولیں تو وہ ہاتھ ہلا کر کہنے لگا۔

"ڈونٹ وری۔ چیزیں ہیں تو کچن میں ہی نا!"

"مگر مجھے یہ بے ترتیبی بالکل پسند نہیں۔" وہ تنگ کر بولیں۔

"تو آپ ان کے ساتھ کھڑی ہوا کریں نا! ہیلپ کے لیے کچن میں۔" مشورہ مفت تھا۔ وہ جل کر رہ گئیں۔

"ساتھ ہی کھڑے ہونا ہوتا تو الگ نہ ہوتی۔"

"یہ تو آپ کی غلطی ہے نا!" وہ چل پڑا تھا۔

"کیا؟" وہ اس کی زبان درازی پر حیران ہوئیں۔ وہ باہر جا رہا تھا۔

"ادھر آؤ نا ذرا۔ کیا بکواس کر رہے ہو؟" وہ اس کے پیچھے لپکیں۔ مگر انہیں سلگا کر وہ نکل گیا تھا۔

"خبیث۔" وہ دانت پیس کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

آج ان کا لڑکی والوں کے ہاں مہندی لے جانے کا پروگرام تھا۔

"کہاں رہ گیا یہ مجو کا بچہ!" دادی اماں کو ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی۔ اس کے ماں' باپ' بہن' بھائی پہنچ چکے تھے۔ اسپتال میں ایمرجنسی کیس سے نمٹنے کی وجہ سے وہ لیٹ تھا۔

"تین سالوں میں ان کی شادی تو ہوئی نہیں' پھر بچہ کون سا دادی اماں؟" زینیہ نے انہیں چھیڑا تھا۔

"شادی بھی ہو جائے گی جلد ہی۔" وہ مسکرائیں اور بے حد پیار سے اسے دیکھا۔

"چلو بھئی۔ اب نکلنا ہے' سب گاڑیوں میں بیٹھو۔" عاصم بعجلت اندر آتے ہوئے بولا۔

امبرائیڈڈ کرتہ شلوار میں وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔ اور گلے میں ڈالا دوپٹہ نما صافہ' زینیہ کو اس قدر خوب صورت لگا تھا کہ اس نے صاف کہا تھا۔

"یہ بعد میں' میں لوں گی اور اس کے ساتھ سوٹ میچنگ کر کے سلواؤں گی۔"

"ہو سکتا ہے عروبہ کا بھی یہ ہی خیال ہو۔" وہ شرارت سے ہنسا تھا۔ وہ دادی اماں کو عاصم کی گاڑی میں بٹھانے گئی تو عافیہ بیگم نے اسے اشارہ کیا۔

"ادھر کدھر۔ ادھر کوئی اور گاڑی دیکھو۔ مجھے ابھی بیٹھنا ہے۔"

"جگہ ہے نا اندر۔ آپ بھی بیٹھ سکتی ہیں۔" وہ ددھیال والوں کے متعلق ماں کی تنگ دلی اور بغض سے اچھی طرح واقف تھی۔ نرمی سے بولی تو وہ دانت پیس کر اسے گھورنے لگیں۔

"میں جلدی سے واش روم سے ہو آؤں۔" وہ کھڑکی میں جھک کر دادی اماں کو بتاتی لہنگا سنبھالتی تیزی سے اندر کی جانب بڑھی۔ تقریباً" سبھی گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے اور جو کھڑے تھے' وہ بھی جگہ دیکھ کر بیٹھنے کی تیاری میں تھے۔ نوکروں کو ہدایات دے کر عافیہ بیگم با دل ناخواستہ دادی اماں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ مجبوری تھی اگر عاصم اس گاڑی میں نہ ہوتا تو وہ کبھی اس گاڑی میں نہ بیٹھتیں۔

"چلو بھئی' جلدی کرو' ہمیں پہلے نکلنا ہے۔"

انہوں نے عاصم سے کہا۔ اس کا دوست ڈرائیونگ سیٹ پر تھا۔

"سب بیٹھ گئے گاڑیوں میں؟" دادی اماں نے چوتھی مرتبہ پوچھا تھا۔

"بیٹھ گئے ہیں اماں جی! آپ آرام سے بیٹھیں۔" عافیہ بیگم اندر سے چڑ گئی تھیں۔ بدزبانی نہ کرنے کا تہیہ کرنے کے باوجود بے زاری ان کے لہجے سے ظاہر تھی۔

"ابھی دور کا سفر ہے، گجرات پہنچتے آدھا، پونا گھنٹہ تو لگے گا نا۔ کوئی پیچھے رہ گیا تو مشکل ہوگی۔" وہ صحیح کہہ رہی تھیں۔ عاصم نے ان کی تسلی کے لیے کھڑکی میں سے سر باہر نکال کے دیکھا۔ سب گاڑیاں چلنے کو تیار تھیں۔

"اے لو۔ وہ اپنی زینی کہاں ہے، باتھ روم گئی تھی۔" دادی اماں کو پھر سے خیال آیا۔

"اوفوہ، اماں جی! ابھی تک باتھ روم میں تھوڑی بیٹھی ہوگی۔ آ کے بیٹھ گئی ہوگی کسی گاڑی میں، چلو اب عاصم تمہارے سسر کا بار، بار فون آرہا ہے، دیر ہو رہی ہے۔" ضبط کرتے کرتے بھی انہیں غصہ آہی گیا تھا۔

"ایک بار دیکھ لوں۔" عاصم متذبذب تھا۔

"اب کہاں ساری گاڑیاں چیک کرو گے، لڑکیوں کے ساتھ بیٹھ گئی ہوگی، بچی تو نہیں ہے کہ پیچھے رہ جائے، چلو تم۔" وہ چڑ گئیں۔

"خدا معلوم۔" دادی اماں متفکر تھیں اور ان کی باتوں پر عافیہ بیگم کا پارہ ہائی ہو رہا تھا۔ دو، تین گاڑیاں ان سے آگے نکل گئی تھیں۔

"نوکر بے وقوف تو نہیں نا جنہوں نے دروازے بند کیے ہیں۔ خود سب کو بٹھایا ہے میں نے۔" عاصم نے ماں کا موڈ خراب ہوتے دیکھ کر اپنے دوست کو گاڑی چلانے کا اشارہ کیا تھا۔

"سب تو ٹھیک ہیں، میں فقط زینی کی بات کر رہی تھی۔" دادی اماں کے دل کو جانے کیسا وسوسہ لگا تھا۔ ہولے سے بولیں تو عافیہ بیگم گردن جھٹک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگیں۔ بھنچے ہوئے لب اور ماتھے کی تیوری ان کے موڈ کی ساری کہانی بیان کر رہی تھی۔ وہ گہری سانس لے کے رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

اور دادی اماں کے وسوسے بے جا نہیں تھے۔ زینیہ واقع گھر میں ہی تھی۔ وہ واش روم میں داخل ہوئی، ادھر کمروں کو تالے لگانے کا کام شروع ہو گیا۔ واش روم سے فارغ ہو کر وہ جلدی سے ڈریسنگ کی طرف آئی اور اپنا کیچر اٹھا کر بال سمیٹنے لگی۔

"بھاڑ میں جائے فیشن، وہاں جا کے کھول لوں گی۔" کھلے بالوں سے اسے شدید گرمی محسوس ہو رہی تھی۔ آئینے میں خود پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال کے وہ پلٹی اور دروازے تک آئی، ناب پہ ہاتھ رکھا، اسے گھمایا، مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا، ایک بار، دو بار، سہ بار۔ اس کا دل خوف سے دھڑک اٹھا۔ اسے خیال آیا سبھی گاڑیوں میں بیٹھنے والے تھے کہیں۔

"امی۔ امی، قاسم۔ عاصم بھائی!" وحشت کے عالم میں اس نے دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ ڈالا۔ ہاتھوں کی کتنی چوڑیاں ٹوٹ کر اسے زخمی کر گئیں، اسے اندازہ نہیں تھا، ابھی تو وہ ایک انجانے سے خوف کی زد میں آئی ہوئی تھی۔ وہ اوپری کمرے میں تھی، بمشکل ہی ٹی وی لگا کے بیٹھی صغراں تک آواز پہنچی۔

"اے نوری۔ اوپر دروازہ بج رہا ہے کوئی۔" اس نے اپنی بیٹی سے کہا تو وہ سیڑھیوں تک گئی۔

"ہائے میں مر جاؤں، پتا نہیں کون رہ گیا ہے اندر۔" اس نے سینے پہ ہاتھ رکھا، پھر دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں چڑھ گئی۔

"کون ہے اندر؟" نوری نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے پاگلوں کی طرح دروازہ کھٹکھٹانا بند ہو گیا۔

"مر جاؤ تم نوری! دروازہ کھولو۔" وہ اندر سے چلائی۔

"ہاں۔ زینی بی بی!" نوری نے منہ پہ ہاتھ رکھا۔ پھر بے چارگی سے بولی۔

"دروازہ کیسے کھولوں جی، چابیاں تو بی بی جی ساتھ

لے گئی ہیں۔"

"مجھے نہیں پتا توڑ دو دروازہ۔" وہ غصے سے چیخی۔

نوری الٹے قدموں بھاگی جا کے ماں کو ساری بات بتائی تو وہ سر پکڑ کے بیٹھ گئی۔

"تو کرلو گل بی بی کی اپنی دھی کو گھر بھول گئی۔"

"اوفوہ۔ افسوس کا وقت نہیں ہے' زینی بی بی کو کمرے سے نکالنے کی سوچو۔" نوری جھنجلائی' مگر صغراں کے وجود کی طرح اس کا دماغ بھی موٹا تھا' ٹس سے مس نہ ہوئی بیٹھی رہی تو نوری پھر سے اوپر بھاگی۔ جدھر زنیہ مدروازہ دھڑدھڑا رہی تھی۔

"وہ لوگ تو کب کے نکل گئے زینی بی بی! اب میں بھلا کیسے دروازہ کھولوں؟" وہ بے بسی سے بولی۔

اندر وہ رو رہی تھی۔

اپنا گھر' اپنا کمرہ تھا' مگر آج پتا چلا تھا قید ہونے کا احساس خوف دلاتا ہے' جگہ کوئی بھی ہو اس سے فرق نہیں پڑتا۔

"آپ ایسا کرو بالکونی میں جاؤ' میں لان کی طرف سے سیڑھی لگاتی ہوں بالکونی کے ساتھ۔" اچانک نوری کے ذہن میں جھماکا سا ہوا' وہ پرجوش سی بولی' تو زنیہ کا بھی کچھ دل ٹھہرا۔

"جلدی سے آؤ' میں جاتی ہوں بالکنی میں۔" نوری قلانچیں بھرتی نیچے بھاگی۔

"اماں! دروازے کی گھنٹی بج رہی ہے' وہ تو دیکھ لے کون آیا ہے' میں سیڑھی لگا کے بی بی کو نیچے اتار لوں۔" نوری نے غصے سے ماں سے کہا جو پرشوق انداز میں ٹی وی میں لگی ہوئی تھی۔ بہ وقت اٹھی اور منہ بناتی بیرونی گیٹ کی طرف قصہ کیا۔ نوری اسٹور سے فل سائز لکڑی کی سیڑھی تقریباً "گھسیٹ" کر لائی اور لان میں بالکنی کے ساتھ لگا دی۔

زنیہ بالکنی ہی میں کھڑی تھی۔ لہنگا پہنے ہوئے سیڑھی اترنا کیسا جان جوکھوں کا کام ہے' یہ اسے ابھی پتا چل رہا تھا۔

"واہ۔ تم نے یہاں آکے کیا سرکس میں کام شروع کردیا ہے۔" وہ ابھی آخری سیڑھی پر ہی تھی کہ غیر متوقع مردانہ آواز ستائش لیے ابھری۔ اس نے لان میں چھلانگ لگائی اور ناگواری سے مڑ کے دیکھا۔

"اسجد بھائی یہ!" اس نے فی الحال رونے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

"میں گھر میں ہی رہ گئی ہوں۔" منہ بسور کر اسے اطلاع دی۔

"وہ تو میں بھی رہ گیا ہوں' مگر اللہ کا شکر ہے قید و بند کی صعوبت برداشت نہیں کرنی پڑی۔" وہ مسکرایا۔

"اب کیا ہوگا' فون کر کے بلواؤں کسی کو' وہ تو آدھے راستے تک پہنچ گئے ہوں گے۔" اسے رونا آنے لگا۔

"میں آتے ہوئے ٹرائی کررہا تھا' مگر نیٹ ورک بزی تھا۔ ابھی شاید کال مل جائے۔" اسجد نے اچٹتی نگاہ اس کی سوجی ہوئی آنکھوں اور سرخ ہوتی ناک پہ ڈالی اور عاصم کا نمبر ملانے لگا۔ "ارے یار! کہاں ہو تم' ہم تو نکل لیے' حد ہوتی ہے سستی کی۔" عاصم لائن ملتے ہی خفگی سے بولا۔

"تیزی کی بھی ایک حد ہی ہونی چاہیے۔ اب ایسی بھی کیا جلدی دولہے میاں کہ بہن کو پیچھے ہی چھوڑ گئے۔" وہ ہنسا تھا' زنیہ کو اور رونا آیا' خفگی سے اسجد کو دیکھا۔ اس کے لیے یہ مذاق کی بات تھی۔

"کون۔ کس کا کہہ رہے ہو؟" عاصم چونکا۔

"زنیہ شبیر احمد۔" وہ مزے سے بولا۔

"دھت تیرے کی' دادی اماں ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ وہ واش روم گئی تھی اور میرے خیال میں سب تالے لگا کے نکل آئے۔" وہ پریشان ہونے لگا۔

"ڈونٹ وری' وہ میرے ساتھ آجائے گی' پہنچے کہاں تک ہو تم لوگ؟" اسجد نے اسے تسلی دیتے ہوئے معلوم کیا' پھر بولا۔

"او کے پھر رابطہ کروں گا' ابھی نکلتے ہیں ہم۔" وہ موبائل جیب میں ڈالتا زنیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ نوری جس کی زخمی کلائیاں دیکھ کر پریشان ہورہی تھی۔

"یہ؟" اسجد نے بھنویں اچکائیں۔

"زور سے دروازہ بجایا تو چوڑیاں ٹوٹ گئیں۔" وہ شرمندہ سی ہونے لگی۔ اسجد بھائی سے تین سالوں کے

بعد پہلی ملاقات' وہ بھی اس انداز میں' اس نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ اسجد نے وہیں ڈھونڈ ڈھانڈ کے اس کے زخموں کو صاف کرنے کے بعد فی الحال ان پر سنی پلاسٹ لگادی۔

"ابھی ٹائم نہیں ہے۔"

اسجد نے اسے چلنے کا اشارہ کیا تو وہ منہ بسورتی چل پڑی۔

"یہ آپ کی گاڑی ہے؟" سیاہ کلٹس کی چمک دمک اسے پسند آئی تھی۔ فرنٹ سیٹ سنبھالتے ہی پرُشوق انداز میں پوچھا تو وہ اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے بولا۔

"میں کیا شکل سے چور لگتا ہوں؟"

"یہ میں نے کب کہا؟"

"تو پھر اطمینان رکھو' یہ میری ہی گاڑی ہے۔" سفر شروع ہوگیا تھا۔

ان کا بھی۔۔۔ اور گاڑی کا بھی۔

"توبہ ہے۔ میں نے تو مبارک باد دینے کے خیال سے پوچھ لیا تھا۔ یہ تو نہیں کہا کہ کسی کی چوری کرکے لائے ہیں۔" وہ ناراضی سے بولی۔

"بھئی تم کون سا مجھے اتنا جانتی ہو۔" وہ آرام سے بولا۔

اور یہ گفتگو تو اک بہانہ تھی' اسے جاننے کا۔

تین سال پہلے کی زنیرہ بچی تھی' اور یہ زنیرہ ایک کھلتا ہوا گلاب' جو ہر سو اپنی دھیمی مہک بکھیر رہا تھا۔

تین سال پہلے ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھی اسجد نے شاید ہی کبھی زنیرہ سے بات کی ہو۔ ایک وجہ تو یہ کہ وہ میڈیکل کا اسٹوڈنٹ تھا' اتنا وقت ہی نہیں ملتا تھا کہ گیدرنگ میں شریک ہوسکتا' دوسرا یہ کہ وقت ملتا بھی تو زنیرہ اپنے ہم عمر کزنز کے ساتھ گیمز میں مصروف ہوتی۔ بھلا اسے میڈیکل فائنل ایئر کے اسٹوڈنٹ سے کیا دلچسپی ہوسکتی تھی اس عمر میں؟؟ اور اسجد۔ جو رزلٹ آنے کے بعد ہاؤس جاب شروع کرنے والا تھا وہ بھلا نویں کلاس کی "بچی" کو کیا سوچتا۔

(پر یہ دادایاں بھی نا' بڑی مزے کی شے ہوتی ہیں۔)

اپنی سوچ پر اسے خود ہی ہنسی آئی تھی۔

"جانتی ہوں' آپ اسجد بھائی ہیں' چچا جان کے بڑے بیٹے' ڈاکٹر بن گئے ہیں' بلکہ اب ہاؤس جاب کمپلیٹ کرنے کے بعد اپنا کلینک اسٹارٹ کرنے والے ہیں۔" وہ خفگی بھرے لہجے میں بولی تھی۔

"ارے واہ۔ تم کوئی جاسوسہ ہو۔ بڑی انفارمیشن رکھی ہے میرے متعلق۔" وہ ہنسا۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟؟" اس نے تیکھی نظروں سے اسجد کو دیکھا۔

"میں تو بالکل سیریس ہوں۔ تمہیں اپنا مذاق اڑتا محسوس ہورہا ہے؟" وہ معصومیت سے پوچھنے لگا۔

"یہ سب مجھے دادی اماں نے بتایا ہے' مجھے کوئی شوق نہیں آپ کی جاسوسی کرنے کا۔" وہ چڑگئی تھی۔

"تھینک گاڈ! ورنہ تمہاری معلومات سن کر تو مجھے شبہ ہوا کہیں انڈرورلڈ والوں نے تو تمہیں میرے پیچھے نہیں لگادیا۔" وہ باز نہیں آرہا تھا۔

وہ ایسا ہی تھا۔ خوش دل' خوش مزاج' پرُبہار طبیعت کا مالک' اتنا تو زنیرہ بھی جانتی تھی۔ حالانکہ عافیہ بیگم ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے انہیں دوسرے کزنز سے خاص گھلنے ملنے نہیں دیتی تھیں۔ اب بھی وہ اسی موڈ میں تھا۔

مگر وہ اپنی طبیعت کا کیا کرتی' تھڑدلی' بے حد جذباتی اور ہر وقت رونے کو تیار۔

"مجھے کیا ضرورت ہے آپ کے پیچھے لگنے کی؟" وہ قدرے خفگی سے اسے دیکھ رہی تھی' پھر یاد آنے پہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"آپ بتائیں نا' آپ کو کوئی لیڈی ڈاکٹر پسند نہیں آئی۔ دادی اماں تو ہر وقت آپ کی شادی کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔" اسجد نے گہری سانس بھرتے ہوئے نوخیز گلاب کے سے روپ والی لڑکی کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔

"اس کی نوبت ہی نہیں آئی' دادی اماں میرے لیے ایک لڑکی پسند کرچکی ہیں۔"

"اچھا۔۔۔؟" وہ حیران ہوئی۔ "آپ دادی اماں کی پسند

سے شادی کریں گے؟"

"مجبوری ہے۔" وہ اسٹیئرنگ گھماتے ہوئے مظلوم بنا۔

"چہ۔ چاہے کسی اندھی کانی سے بیاہ دیں۔" وہ مذاق اڑانے لگی۔

"اب کیا ہو سکتا ہے۔"

"چلیں۔ میں بات کروں گی دادی اماں سے۔ آپ تو ڈاکٹر ہیں۔ لڑکیاں تو ہنس کے آپ سے شادی کرنے کو تیار ہو جائیں گی۔" وہ فراخدلی سے بولی۔ وہ ہنس پڑا۔

"مگر مجھے تو ایک ہی لڑکی سے شادی کرنی ہے' چاہے وہ ہنس کے کرے یا رو کے۔" سفر اسی طرح ہلکی پھلکی باتوں میں تمام ہوا۔ "الجنت میرج ہال" پہنچ کر اسجد نے اپنے چھوٹے بھائی احمر سے کنفرم کیا' سب اوپر والے ہال میں تھے۔

☆ ☆ ☆

امی نے اسے دیکھتے ہی وہ لتے لیے کہ خدا کی پناہ۔

"میرا کیا قصور ہے۔ خود ہی دروازے لاک کر کے چلی آئیں۔ میں تو بتا کے گئی تھی۔" اس کے آنسو بہنے کو تیار تھے۔

اور اسجد کو بھی شاید اسی بات کی توقع تھی۔ دادی اماں کو چھوڑ تیزی سے ان کی طرف آیا۔

"تائی جان! کیا کرتی ہیں۔ یہ بے چاری تو پہلے ہی پریشان ہے۔ بالکنی کے ساتھ سیڑھی لگا کے اتارا ہے ملازمہ نے۔ آپ کو تو شکر کرنا چاہیے خدا کا کہ نوکر گھر میں موجود تھے' اگر یہ بھی ساتھ آجاتے تو کیا ہوتا۔" وہ انہیں شانوں سے تھامے ملامت سے موقع کی سنگینی سے آگاہ کرتا انہیں ٹھنڈا کر گیا۔

اسجد کا وہ کافی لحاظ کرتی تھیں۔ (ڈاکٹر جو بن رہا تھا۔)

"چلو اب موڈ ٹھیک کرو' دولہے کی بہن ہو۔" عافیہ بیگم نے اسے تنقیدی نظروں سے دیکھا۔

"اور یہ بال تو کھولو' میلاد تو نہیں آج۔"

"امی۔!" وہ روہانسی ہونے لگی۔

"یوں بطور خاص تیاری اسے زہر لگتی تھی۔ بندہ ہر وقت کانشس پھرتا ہے کہ لڑکوں کی مائیں ہمیں دیکھ رہی ہوں گی۔ وہ اپنے کیچو کی طرف ہاتھ بڑھاتی تھم سی گئی۔ اسجد نے اسے اشارے سے منع کر دیا تھا۔

"ابھی گرمی لگ رہی ہے مجھے۔" اسے بہانہ سوجھ گیا تھا۔ عافیہ بیگم کو اور غصہ آیا۔

"تو جو بال کھول کے پھر رہی ہے' انہوں نے اے سی لگوا رکھے ہیں کیا۔" زنیرہ کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو بھر آئے۔ اوپر سے اسجد کی موجودگی۔

"اوفوہ۔ تائی جان! کیا کرتی ہیں۔ اسے فنکشن انجوائے کرنے دیں' اپنے ڈھنگ سے۔" وہ فوراً ہی اس کی مدد کو آیا تو بادل ناخواستہ انہوں نے اسے چھٹی دی۔

ان کی بہن شارجہ سے عاصم کی شادی میں شرکت کے لیے آئی تھیں اور ان کا لائق اور قابل بیٹا انجینئر ساتھ تھا۔ ان کا پکا ارادہ تھا کہ وہ اس بار خود ان سے زنیرہ اور عماد کے رشتے کی بات کریں گی۔ مگر یہ زینی کی بچی۔ مجال تھی ذرا برابر بھی عقل پکڑی ہو۔

"تھینک یو اسجد بھائی!" زنیرہ نے تیل مہندی کی رسم سے فارغ ہونے کے بعد موقع پا ہی لیا تھا۔

"اچھا جی۔ وہ کس لیے؟" اسجد نے اس پُرکشش سی آنکھوں والی لڑکی کو دلچسپی سے دیکھا۔

"آپ نے امی کی ڈانٹ سے بچا لیا اور کیا۔" وہ شکر گزار تھی۔

"تمہیں اکثر ڈانٹ پڑتی ہو گی؟"

"اور نہیں تو کیا' سب سے زیادہ وہ 'زینی یہ مت کرو' زینی ایسے کرو' زینی یہاں مت جاؤ' اس سے ملو' اس سے نہ ملو۔" وہ ملول تھی پھر خود ہی کہنے لگی۔

"آپی کی شادی کے بعد شاید میں گھر میں ایک ہی لڑکی بچی ہوں' اس لیے۔"

"پھر تو تمہیں تائی جان کی ڈانٹ سے بچانے کا کوئی مستقل حل نکالنا پڑے گا۔" وہ مسکرانے لگا۔

دادی اماں اپنی ٹیبل پہ بیٹھی دور ہی سے دونوں کی بلائیں لے رہی ہیں۔ بلکہ چچی جان کو بھی دکھایا کہ ان

دونوں کی جوڑی کتنی اچھی لگ رہی ہے۔

"اچھا۔ وہ کیسے؟" وہ اشتیاق سے پوچھنے لگی۔

"وہ ایسے کہ ہم تمہیں اپنے ساتھ لے جائیں۔" وہ آرام سے بولا۔

"اف۔۔۔ دادی اماں کے ساتھ' میرا کتنا جی چاہتا ہے نا' میں پھر سے اس گھر میں واپس چلی جاؤں۔" وہ کھل اٹھی۔

"لو۔ دادی اماں کہاں سے آ گئیں درمیان؟ یہ آفر تو میں کر رہا ہوں۔" وہ آرام سے بولا تھا' زنیرہ بے ساختہ بولی۔

"آپ کے ساتھ بھی چلے گا۔"

"او کے۔ ویٹ اینڈ سی۔" وہ معنی خیزی سے مسکرایا۔ اور پھر دادی اماں کے بلانے پہ ان کے پاس چلا گیا۔

"اب بتاؤ' کیسی لگی زینی؟" دادی اماں پرجوش تھیں۔ چچی جان بھی پاس ہی بیٹھی تھیں۔

"لڑکی تو ٹھیک ہے' لیکن لڑکی کی اماں ذرا ٹھیک ہونے والی نہیں ہیں' کیوں امی؟" وہ ہلکے پھلکے لفظوں میں گویا اپنی رضامندی بیان کرتے ہوئے ماں سے پوچھنے لگا۔

"شرم کرو' بڑی ہیں وہ' اور پھر بیاہ کے تو زینی کو آنا ہے۔" چچی جان نے اسے گھرکتے ہوئے ساتھ ہی شاید خود کو بھی تسلی دی۔

ادھر عافیہ بیگم جس چکر میں تھیں وہ کسی کو بھی خبر نہ تھی۔

واپسی پہ زنیرہ' چچی جان کی فیملی کے ساتھ ان کی گاڑی میں تھی۔ دادی اماں واپسی پر بھی عاصم ہی کی گاڑی میں براجمان رہیں' جس پر عافیہ بیگم بس دانت کچکچا کے رہ گئیں۔ اب انہوں نے جو کیڑے دلہن والوں کے انتظامات میں نکالنے تھے وہ آزادی سے نہیں نکال سکتی تھیں' ورنہ عاصم کو ہی سناتیں۔

✻ ✻ ✻

اگلے روز بارات بھی بہت دھوم دھام سے گجرات کے "الجنت میرج ہال" پہنچی۔ دولہا والوں کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا گیا۔ عافیہ بیگم نے مسلسل اپنی آپا رافعہ کو ساتھ رکھا ہوا تھا۔ انہیں وہ وہی پروٹوکول دے رہی تھیں جو ہونے والی سمدھن کو دینا چاہیے۔

"کچھ عاصم کی سسرال والوں کو بھی توجہ دو دلہن!" دادی اماں نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اندر سے جل اٹھیں۔ پھر ان کے قریب ہو کر تفاخر سے بولیں۔

"بیٹی والوں کو کیا توجہ دینی' یہ کیا کم ہے ان کی بیٹی کو بیاہ کے لے جا رہے ہیں اور رہی بات آپا کی تو عماد سے رشتہ طے کر رہی ہوں میں زنیرہ کا۔" دادی اماں کی رنگت بدلنے لگی۔

"زینی کا' مجھے تو تم نے نہیں بتایا؟" چچی جان نے ان کے ہاتھ پر اپنا تسلی آمیز محبت بھرا دباؤ ڈالا۔

"ابھی بتا تو رہی ہوں۔ خط میں تو نہیں لکھ سکتی تھی نا! اللہ نے چاہا تو آپا منگنی کر کے ہی جائیں گی۔ عماد کو اگلے ہفتے چھٹی مل جائے گی۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں کہتی جان چھڑاتی وہاں سے چلی گئیں' مگر دادی اماں کے دل کو روگ لگا گئیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں اماں! ہم نے کون سا رشتہ ڈال دیا تھا۔ ابھی تو محض سوچ ہی تھی۔"

چچی جان کو بھی افسوس ہوا۔ زینی انہیں بھی بہت عزیز تھی۔ مگر ساس کو صدمے کی گرفت سے آزاد کرانا بھی بہت ضروری تھا' سو ہلکے پھلکے لہجے میں بولیں۔

"خدا اس کے نصیب اچھے کرے' میری تو دعا ہے بہترین جگہ پہ اس کی شادی ہو' مگر عابدہ میں صرف اس لیے کہتی ہوں بچی بہت نیک اور سادہ طبیعت کی ہے۔ ماں والی تیزی و تندی تو اس میں آئی ہی نہیں۔" دادی اماں ملول و افسردہ تھیں۔

عافیہ بیگم کی بہن بھی ان ہی کا پرتو تھیں' اسٹیٹس کانشس اور "میں" میں مبتلا۔ پتا نہیں زنیرہ جیسی سیدھی سادی معصوم لڑکی کا کیا حال کرتیں۔ جسے ماں نے ہمیشہ شیرنی کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے پالا تھا اور وہ ہمہ وقت گھبرائی بوکھلائی ہوئی رہتی تھی۔

"ابھی امجد سے تذکرہ مت کرنا، بچے کا دل برا ہو گا۔" انہوں نے چچی جان سے کہا تو انہوں نے فرماں برداری سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

عاصم نہایت شان و شوکت سے عروبہ کو بیاہ لایا۔ نغمہ اور فاریہ نے باقی کزنز کے ساتھ پہلے گھر پہنچ کر دلہن کو خوب صورت سا ریسپشن دیا۔

"مبارک ہو عافیہ! آج تم بھی بہو کی ساس بن گئیں۔ خدا تم دونوں کو اتفاق و سلوک دے، اور اس گھر کو خوشیاں نصیب کرے۔" اپنے کمرے میں جانے سے پہلے دادی اماں نے عافیہ بیگم کو دعا دی تو وہ بل کھا کر رہ گئیں۔

"یہ تو طنز کے تیر چلانے میں کوئی ثانی نہیں رکھتیں۔" ان کی آپا نے منہ بنایا تھا۔

نغمہ اب عروبہ کے پاس گھسی بیٹھی تھی۔ نئی بھابھی والا شوق اور ایک خوب صورت دلہن کو اتنے پاس سے دیکھنا اسے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ چچی جان اور ان کے بچے گیسٹ روم میں رہائش پذیر تھے۔ ان کی واپسی ولیمہ کے بعد ہونا تھی، جبکہ دادی اماں نغمہ کے کمرے میں تھیں۔

"سن لیں تم نے اپنی دادی کی سنہری باتیں۔" ان کے جاتے ہی عافیہ بیگم تڑخ کر عاصم سے بولیں۔ جو خود اپنے کمرے میں جانے کو پر تول رہا تھا۔

"کیا۔ کیا کہا انہوں نے؟" وہ لاعلم تھا۔

"اے لو، ساری دنیا نے سنا، بس اسی نے نہیں سنا جو طعنوں کا باعث بن رہا ہے۔" وہ چمک کر بولیں۔

"میں...؟" وہ حیران ہو کر اپنی طرف اشارہ کرکے بولا۔

"اور کیا۔ مبارک دے رہی تھیں کہ ساس بن گئی ہو۔" کڑوے لہجے میں بتایا تو وہ ہنس دیا۔

"تو کیا غلط کہہ رہی تھیں۔"

"تم نہیں سمجھتے ان کی چالاکی کو، ان کے اندر کیا ہے، وہ میں جانتی ہوں۔ طعنہ دے رہی تھیں کہ اب تو تم بھی ساس بن گئی ہو، اب دیکھنا ذرا کیا ہوتا ہے۔" انہوں نے اپنا اخذ کردہ مطلب بیان کیا تو عاصم دنگ رہ گیا۔

"بھی کیا کرتی ہیں امی! وہ تو دعائیں دے رہی تھیں۔"

"بچے ہو تم ابھی۔ مجھ سے پوچھو جو ان کی ساری چالوں کو بھگت کے آئی ہوں۔ وہ کیوں دعائیں دے رہی تھیں، یہاں کون سا ہم بندوقیں لیے کھڑے ہیں، بہو کے لیے، جو وہ اتفاق سلوک کی دعا کر رہی تھیں۔" وہ جل رہی تھیں، سلگ رہی تھیں۔

عاصم ماں کی اس تنگ نظری اور خود سے اخذ کیے تجزیات کو سن کر دل ہی دل میں استغفار پڑھ کے رہ گیا۔ پھر انہیں بہلانے لگا۔

"بزرگوں کی دعاؤں سے گھر میں خیر و برکت ہوتی ہے۔ اب آپ بھی تو ہمارے لیے دعائیں کرتی ہیں نا!"

"ان کی طرح دکھاوے نہیں کرتی۔ دل میں ہی مانگ لیتی ہوں خیر و برکت۔" وہ تنک کر بولیں۔

"اچھا چلیں ٹھیک ہے۔ بہت ٹائم ہو رہا ہے ریسٹ کریں، آپ بھی تھک گئی ہوں گی۔" کلائی پر بندھی گھڑی پر ایک نگاہ ڈال کر اس نے بات سمیٹی تو انہوں نے بیٹے کو گہری نگاہ سے دیکھا۔ حالانکہ وہ کتنی دیر سے ان کی بے سروپا سنے جا رہا تھا، مگر اب اسے اپنے کمرے میں جانے کی جلدی ہوئی تو انہیں بہت محسوس ہوا۔

"ہاں، اپنی دادی کے خلاف تم کیوں کچھ سننے لگے، ماں ہی غلط ہے تمہاری۔"

"یہ کب کہا میں نے؟ چلیں اگر ان کی کوئی بات آپ کو ٹھیک نہیں بھی لگی تو اب غصہ تھوک دیں۔ دو، چار روز میں وہ چلی ہی جائیں گی اور پھر یہ کوئی وقت ہے اس طرح کی باتوں کا۔"

عاصم نے اپنے کمرے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا تو وہ جلبلا کر بولیں۔

"ہاں۔ اب تم لوگ ماں کو پڑھاؤ گے، ابھی سے وقت ختم ہو گیا ہے تمہارے پاس میری باتوں کو سننے کا۔"

"اوفوہ امی! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔" وہ پلٹا تھا۔

"ایک دنیا دیکھی ہے میں نے بیٹا! میں تو تمہارے

پیروں کی دھمک سے تمہارا موڈ پہچان لیتی ہوں۔"
عاصم نے گہری سانس بھری۔
دھیان کے سارے دھاگے اس عروس جاں کی سوچ سے الجھے ہوئے تھے جو اکیلی کمرے میں اس کا انتظار کررہی تھی۔ ایسے میں عافیہ بیگم کی یہ بے وجہ کلاس اسے سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔
"اچھا۔ میں آپ کے پاس بیٹھ جاتا ہوں جو باتیں کرنی ہیں کرلیں۔" وہ سکون سے کہتا صوفے کی طرف بڑھا تو وہ مسکرادیں۔ کھل کے طمانیت سے۔
"نہ بیٹا! تمہاری نئی نویلی دلہن کمرے میں تمہارا انتظار کررہی ہوگی۔ میں تو صرف تمہیں ماں کے حقوق کی اولیت بتارہی تھی۔ مجھے بھی نیند آرہی ہے' شب بخیر۔"
وہ اطمینان سے کہتی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ عاصم کی پرسوچ نگاہ نے ان کا پیچھا کیا تھا پھر وہ سر جھٹکتا خوش کن سوچیں لیے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☼ ☼ ☼
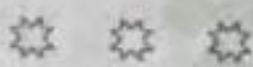
ولیمہ کی تقریب کے بعد عافیہ بیگم سے صبر نہیں ہوسکا' ان کی شدید خواہش تھی کہ وہ رافعہ آپا سے عماد اور زنیرہ کے رشتے کی بات کریں اور گھر میں موجود رشتہ داروں (خصوصاً "سسرالی") کی موجودگی میں ہی بات طے ہوجائے' اور مشہور بھی ہوجائے کہ عافیہ بیگم کا داماد انجینئر ہے۔ انہیں ایک سو بیس فیصد یقین تھا کہ رافعہ آپا بھی یہ ہی چاہتی ہیں' تبھی تو وہ زنیرہ کے صدقے واری جاتی رہتی تھیں۔
"کاش یہ میری بیٹی ہوتی۔" کتنی ہی بار وہ کہہ چکی تھیں۔ حالانکہ اپنی دو بڑی بیٹیاں وہ بیاہ چکی تھیں۔ بہرحال اسی یقین کے تحت انہوں نے دادی اماں کے سامنے ہی اس رشتے کی بات چھیڑدی۔
"اب بہنوں میں کیا پردہ جھجک۔ آپ نے پوچھا یا میں نے بات ایک ہی ہے۔ بھئی ایک سے ایک رشتہ پڑا ہے میری زینی کے لیے مگر میں نے کہا پہلا حق آپا کا ہے۔ عماد سے بڑھ کے مجھے کوئی نہیں۔" ان کا بات کرنے کا طریقہ بھی انوکھا تھا۔ اوپر سے ٹانگ رکھنے والا۔
دادی اماں نے تاسف سے اپنی بہو کو دیکھا۔
"ہاہ' لو بھلا' ایک سے ایک رشتہ پڑا ہے' تو کہیں بات طے کردو نا! خیر سے ایف اے کرچکی ہے' دو سال تک شادی کردینا' کچھ سمجھ دار بھی ہوجائے گی۔" یہ آپا صاحبہ کا صاف جواب تھا۔
عافیہ بیگم کو جھٹکا لگا۔ بے یقینی سے بہن کو دیکھا۔
"بھئی ہم تو بچوں کی پسند کو ترجیح دینے والے لوگ ہیں۔ عماد کی بات تو بھائی صاحب کی ندا سے طے ہوگئی۔ امریکن نیشنلٹی ہے اس کی۔ فون پہ تو بات کرچکی ہوں میں' سوچا تھا باقاعدہ منگنی ہوگی تو خبر کروں گی' خیر' زینی کے لیے کون کون سا رشتہ ہے؟ اتنی پیاری بچی ہے ماشاء اللہ۔"
اگر عافیہ بیگم کو "انجینئر داماد" کا لالچ تھا تو ان کی بہن بھی "امریکن نیشنلٹی ہولڈر بہو" کے خواب دیکھ رہی تھیں۔
اگر تو اکیلے میں یہ منہ توڑ انکار ہوا ہوتا تو وہ برداشت کرہی جاتیں' مگر اماں جان کے سامنے' عافیہ کی تو شرمندگی کی کوئی حد ہی نہ تھی۔
اور آپا کی زنیرہ سے محبت کا پول تو کھل ہی چکا تھا۔ اب بھی اتنے میٹھے لہجے میں پوچھ رہی تھیں گویا تمسخر اڑا رہی ہوں کہ کون سا "ایک سے ایک اچھا" رشتہ موجود ہے۔
ان کی پیشانی چمک اٹھی۔
"رشتے تو بھی بہت اچھے ہیں بیٹا! مگر عافیہ کا دل تھا کہ ایک بار اپنی آپا سے پوچھ لوں تاکہ کل کو وہ شکایت نہ کریں ورنہ عابدہ اسی لیے رکی ہوئی ہے یہاں کہ عافیہ ہاں کرے تو وہ زنیرہ کو اسجد کے نام کی انگوٹھی پہنا کے ہی جائے۔" دادی اماں کی بات تھی یا دھماکہ' عافیہ بیگم کن رہ گئیں۔
"اچھا۔ عابدہ۔ آپ کی چھوٹی بہو؟؟ کیا کرتا ہے۔ سرکاری نوکری ہے یا پرائیویٹ؟؟" وہ سرسری انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"ماشاء اللہ سے ڈاکٹر ہے اسجد۔ اب تو اپنا کلینک بھی بنالیا ہے اس نے۔ کچھ عرصے تک مزید پڑھائی کے لیے امریکہ بھی جائے گا پھر آکے ان شاء اللہ اسپتال بنائے گا۔ مریضوں کے مفت علاج کے لیے۔" وہ سادگی سے بتارہی تھیں۔

"ماشاء اللہ' ماشاء اللہ۔" رافعہ بیگم کو شرم آگئی تھی۔ ادھر عافیہ بیگم کے دل کو بھی سکون ملا۔ دادی اماں نے موقع پر عزت رکھی تھی۔

اور یہ اسجد... اتنا قابل ڈاکٹر بن چکا ہے' اپنا کلینک بھی بنالیا۔

"چلو۔ فی الحال تو وقت گزرے' بعد کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ وہاں ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود انہوں نے نہ تو عابدہ کو اور نہ ان کے بچوں کو کبھی کسی گنتی میں شمار کیا تھا۔ انہیں یہ تو پتا تھا کہ اسجد ڈاکٹری پڑھ رہا ہے' مگر اس کی کامیابیوں کا شمار نہیں رکھا تھا۔

مگر وہ جس بات کو وقتی پردہ سمجھ رہی تھیں' اسی کو کھول کر دادی اماں اور عابدہ نے زنیرہ کے سر کی چادر بنادیا۔ شبیر احمد سے بات کرکے۔

انہوں نے عافیہ کی طرف دیکھا۔

وہ کبھی سسرالی رشتہ داروں کو منہ نہ لگاتیں۔ مگر ڈاکٹر داماد نے بہت کچھ بھلانے پر مجبور کردیا' اور پھر زنیرہ بھی کس کھاتے میں تھی' محض ایف اے۔

"دادی کی لاڈلی' دادی ہی کے پاس جائے گی تو سکھی ہی رہے گی۔" انہوں نے سوچا تھا اور پھر جو کچھ ان کی اپنی بہن نے کیا تھا۔

"بڑی دھوم دھام سے شادی ہوگی میری بیٹی کی۔" انہوں نے جتایا تھا۔ ابھی تو فی الحال سب کے سامنے بات ہی طے ہوئی تھی۔ آپا سے ان کا دل اچاٹ ہوگیا۔

زنیرہ تک خبر پہنچی تو وہ دم بخود رہ گئی۔

"تو یہ وجہ تھی اس سوال کے پیچھے؟" اسے خیال آیا۔

مگر کچھ خاص فیلنگز نہیں ہوئیں۔ وہ اس سے پورے دس سال بڑا تھا۔ اور اس نے پہلے کبھی بھی اسجد کے بارے میں اس نہج پر نہیں سوچا تھا۔

چچی جان نے اسی وقت اسجد کو فون کردیا کہ اگلے روز وہ دوبارہ آجائے۔ ولیمہ اٹینڈ کرتے ہی وہ واپسی کے لیے نکل گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

افراتفری میں بھی چچی جان اور ان کی بیٹی نمرہ نے جو شاپنگ کی وہ ڈائمنڈ رنگ سمیت ہی بہت شان دار تھی۔ منگنی کے سوٹ کے علاوہ بھی زنیرہ کے پانچ خوب صورت جوڑے تھے' معہ میچنگ جیولری' زنیرہ الجھی ہوئی تھی۔

"اتنی جلدی؟"

"تو اور کیا بڈھی ہو کے بیاہ رچاؤ گی۔ فی الحال صرف منگنی ہو رہی ہے۔ چار' پانچ سال پڑھ لو' پھر شادی ہوگی۔ تب کون سا ڈاکٹر بیٹھا ہوگا تمہارے لیے۔" وہ آپا سے جلی بیٹھی تھیں' شکر اللہ کرکے کوئی قابل داماد ملا تھا۔ تو اس پہ بھی یہ آنا کانی کرنے لگی تھی' سو انہوں نے جھاڑ دیا۔

"میں نے کون سا شرط رکھی ہوئی ہے ڈاکٹر کی۔" وہ خفا ہوگئی۔ شام کو اس کی منگنی کی شان دار سی تقریب منعقد کی گئی۔

اسجد بہترین سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کا اونچا لمبا وجیہہ سراپا سب میں نمایاں تھا۔ نمرہ نے اپنے لاڈلے بھائی کی تعریفیں کر کر کے دلہن بنی زنیرہ کا دل بھی دھڑکا ہی دیا۔ اس پر اسجد کی کھلم کھلا فرمائش۔

"انگوٹھی میں خود پہناؤں گا۔ دادی اماں کی منگیتر تھوڑی ہے یہ۔" وہ بہت کانفیڈنٹ تھا۔

"مجھے شرم آئے گی۔" زنیرہ کو ایک دم سے اس سچویشن کو قبول کرنے میں دقت پیش آرہی تھی۔ ابھی کل تک تو کسی نے زنیرہ کی شادی کا نام تک نہ لیا تھا اور آج وہ یوں سجی سنوری کسی کے نام ہونے جارہی تھی۔

"اسے کہو ایک بار انگوٹھی پہن لو' پھر یہ شرم ورم آئی بند ہوجائے گی۔" اسجد نے نمرہ کے ہاتھ پیغام بھجوایا تھا۔

اور پھر وہ لمحہ بھی آیا جب وہ ٹوسیٹر پر اس کے ساتھ

آکر بیٹھا۔ زنیرہ کا دم حلق میں اٹکنے لگا۔

اسجد تو بھائی تھا۔ اسجد بھائی اور اب یہ نیا روپ، وہ کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔

"اجازت ہے دادی اماں؟" اسجد نے انگوٹھی تھامتے ہوئے شرارت سے پوچھا تو عافیہ بیگم مسکرائیں۔

"اجازت ہے تو یہاں بیٹھے ہو بیٹا جی!"

"تھینک یو نانی جان!"

اس نے زنیرہ کا ہاتھ تھام لیا۔۔۔ اور پھر اسے ایک دم سے ٹھنڈا پڑتا محسوس بھی کر لیا۔

"چلو بھئی۔ تم تو تولنے بیٹھ گئے ہو۔ بہت بھاری ہاتھ ہے۔" عاصم نے شرارت سے کہا تو وہ ہنسا۔

"بڑا ٹھنڈا ہے یار! بی پی لو لگ رہا ہے۔"

"یہ لو، شروع ہو گئی ان کی ڈاکٹری۔ بھائی صاحب یہ آپ کی سسرال ہے، اسپتال نہیں۔" اسجد سے چھوٹے احمر نے اس کی توجہ دلائی۔ وہ انجینئرنگ کے آخری سال میں تھا۔

ادھر زنیرہ کا دل بہت سہج سہج کر دھڑک رہا تھا۔ اپنے سرد پڑتے ہاتھ پر اس کے مضبوط ہاتھ کی گرمی اسے اچھی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

"چلو جی۔۔۔ کیا یاد کریں گی زنیرہ بی بی! آج تک تو ڈاکٹر فیس لیتے ہی آئے ہیں۔" اس نے شوخی سے کہتے ہوئے انگوٹھی زنیرہ کی مخروطی انگلی میں ڈال ہی دی۔ زنیرہ نے فوراً ہی ہاتھ کھینچا، سبھی ہنسنے لگے۔

"اسے بھی صرف ہیرے کی انگوٹھی کا انتظار تھا۔" قاسم نے کہا۔ تو زنیرہ کو ہنسی بھی آئی اور غصہ بھی۔ خیر قاسم سے تو وہ اچھی طرح نمٹ لیتی تھی۔

فوٹو سیشن، مووی میکنگ۔۔۔ ایک لمبا سیشن، مگر سب بہت انجوائے کر رہے تھے۔

اس طرف سے انگوٹھی پہنانے کی باری پر شبیر احمد کو آگے کیا گیا۔ "آپ کہاں زحمت کریں گے تایا جان۔۔۔ میں زینی ہی سے پہن لوں گا۔"

اسجد نے بڑی ہمدردی دکھائی تو انہوں نے ہنستے ہوئے ڈبیہ زنیرہ کو پکڑا دی۔

"میں نہیں۔۔۔" وہ منمنائی۔

"خبردار۔۔۔" اسجد اسی کی طرف متوجہ تھا۔

وہ تلملائی۔ "یہ اچھا رعب ہے، ابھی سے اپنی من مانیاں۔"

"چلو بھئی۔ زینی انگوٹھی پہنا دو۔" عروبہ نے کہا تو وہ انگوٹھی ہاتھ میں لیے منتظر ہو گئی کہ ابھی وہ ہاتھ آگے کرے گا۔

"کیا سوچ رہے ہو یار! بلکہ اب تو سوچنے کا ٹائم نکل چکا ہے۔"

عاصم نے اسے یاد دہانی کرائی تھی۔ اسجد نے مسکراتے ہوئے ہاتھ آگے کیا تو زنیرہ نے بغیر دیکھے انگوٹھی پہنانے کی کوشش کی۔ مگر انگوٹھی آگے جانے سے انکاری۔

"یہ چھوٹی ہے۔" وہ ہار گئی۔

"یہ چھوٹی نہیں، انگوٹھا بہت بڑا ہے۔" نمرہ کی جگتی پر قہقہہ پڑا تو وہ یہ دیکھ کر شرمندہ ہوئی کہ وہ بنا دیکھے انگوٹھے میں رنگ ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

تب اس نے بہت احتیاط سے اسجد کی انگلی میں انگوٹھی ڈال دی۔

"تھینک یو۔" وہ مسکرا رہا تھا۔ نگاہ زنیرہ پر تھی۔ زنیرہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔ وہاں اپنائیت کے سارے رنگ تھے۔ زنیرہ کو لگا وہ اسجد کے ساتھ خوش رہے گی۔

✱ ✱ ✱

آج ان کی واپسی تھی۔

"زنیرہ! فارغ ہو؟" وہ بیڈ شیٹ بچھا کر فارغ ہی ہوئی تھی جب نمرہ نے دروازہ کھول کر اندر جھانکا۔

"ہاں، ہاں، آجاؤ۔" وہ تکیے سیٹ کرتے ہوئے خوشگواری سے بولی۔ نمرہ اس کی ہم عمر تھی اور اس سے دوستی بھی بہت تھی۔

"السلام علیکم۔"

غیر متوقع آواز۔۔۔ وہ اچھل کر پلٹی۔

وہاں نمرہ کی جگہ اس کے بھائی صاحب موجود تھے۔ اِدھر اُدھر نگاہ گھماتے کمرے کا جائزہ لیتے۔

"وہ۔ نمرہ۔" نغمہ ہکلائی۔

"پہلی لڑکی دیکھی ہے جو منگیتر کی بجائے نند کا انتظار کر رہی تھی۔" وہ اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ تھا۔

اسے ٹوٹ کے شرم آئی۔

"اب بتاؤ، خوش ہو منگنی سے؟" وہ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"پتا نہیں۔" نغمہ کو اپنی ٹانگوں کی لرزش اچھی طرح محسوس ہو رہی تھی۔

"یعنی کہ ناخوش ہو؟"

"مجھ سے کسی نے پوچھا ہی نہیں۔" وہ سادگی سے بولی۔

"اچھا تو اب پوچھ لیتے ہیں۔" وہ اس کی صاف گوئی سے محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

"نغمہ! اسجد سے شادی کرو گی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" بے اختیار ہی اس نے کہا تھا۔ پھر اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے وضاحتاً بولی۔

"ابھی منگنی ہی ٹھیک ہے، مجھے پڑھنا ہے۔"

"تھینکس گاڈ۔ ڈرا دیا تھا تم نے مجھے۔" وہ ہنسا تھا۔

اور اب۔

اب وہ نہیں تھا۔ کہیں بھی نہیں تھا۔ نہ اس ملک میں اور نہ ہی نغمہ کی زندگی میں۔

وہ اپنے کمرے میں بند اندھیرا کیے اسجد کی یاد میں رو رہی تھی۔ اس کے دل میں بسنے والا اس کی دھڑکنوں کو نئے انداز سکھانے والا پہلا شخص۔ جسے اس سے جدا کر دیا گیا تھا۔

(تو دائمی جدائی اسجد۔)

وہ کھانا چھوڑ کے اٹھ گئی تھی۔

"زینی۔!" عافیہ بیگم نے پیچھے سے پکارا، مگر وہ جو اس میں ہی کہاں تھی۔ اوپر ٹیرس کی سیڑھیوں پہ آ بیٹھی۔

وہ بے بس ہو گئی تھی حالات کے سامنے۔

"یونہی چھوڑ دینا تھا تو میرے دل میں نئے جذبے کیوں جگائے تھے اسجد! میں تو کورا کاغذ تھی۔ اس پہ اپنی محبتوں کی داستان لکھ کے اب بے حس بنے تماشا دیکھ رہے ہو۔ آ کیوں نہیں جاتے مجھے سب سے چھیننے کے لیے۔" اسے رونا آ رہا تھا۔

اسے سال بھر پہلے کے دن یاد آئے، جب گریجویشن کے بعد جب چچی جان کے بعد اصرار پر وہ ان کے ہاں دو ہفتوں کے لیے گئی تھی۔

وہ سنہرے دن۔

اس کی آنکھوں میں روشنی سی بھر گئی۔

☼ ☼ ☼

اُدھر عاصم کی شادی کے بعد گھر میں عروبہ کی شکل میں گویا ایک رونق آ گئی۔ ہنستی مسکراتی ہر پل چہکتی عروبہ جہاں عاصم کی چہیتی بیوی بنی، وہیں نغمہ اور قاسم کی دوست نما بھابھی...

ہفتہ بھر ہی میں وہ جیسے اس گھر کی ایسی مکین بن گئی جو گویا سالوں سے یہیں رہتی آئی ہو۔

اصل مسئلہ تب شروع ہوا جب عروبہ نے کچن میں پاؤں رکھا۔

"امی! آج میں پکاؤں؟"

ہانڈی میں پیاز لال کرتی عافیہ بیگم سے اس نے بڑی چاہت سے کہا تو پہلے تو وہ حیران ہوئیں، پھر صفاچٹ انداز میں بولیں۔

"نہیں۔ یہ میں خود کر لوں گی۔"

"کوئی بات نہیں۔ میں بھی تو فارغ ہی ہوں۔"

وہی بہوؤں والا گھرداری کا نیا نیا شوق۔ گھر والوں کو اچھا کھلا کر داد پانے کا معصوم سا شوق۔

☼ ☼ ☼

"کل تمہاری ساس اور نند آ رہی ہیں۔ ولیمہ کا لہنگا خریدنا ہے، تمہیں ساتھ لے جانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔" امی نے اسے بتایا تو وہ ساکت رہ گئی۔

"فارغ وقت گزارنے کے اور بھی کئی طریقے ہیں۔ جا کے ٹی وی دیکھ لو۔" وہ بڑی معصومیت ظاہر کرتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

اور عروبہ سمجھ نہ پائی کہ وہ کچن پر اپنی اجارہ داری چاہتی ہیں۔ وہ تو دادی اماں کو کچن میں برداشت نہ کرتی تھیں' تجابیہ کل کی چھوکری۔ اسے تو وہ اول روز سے اس کی حد میں رکھنا چاہتی تھیں۔

اور پھر روزانہ یہ ہی ہونے لگا۔

سب کے لیے ناشتا تک وہ خود بناتی تھیں۔ ماسوائے عاصم اور عروبہ کے۔ اسے اپنا اور عاصم کا ناشتا بنانے کی اجازت تھی۔ اس کے علاوہ وہ چائے' برتن دھوئے یا ماسی کے سر پہ کھڑی ہو کے صفائی کرائے اور کپڑے دھلوائے' وہ عافیہ بیگم کا دردِ سر نہ تھا۔

انہوں نے ابھی تک عروبہ کو ہانڈی نہ پکانے کی وجہ نہیں بتائی تھی۔

"وہ ہم دونوں کو زیادہ سے زیادہ قریب ہونے کا موقع دینا چاہتی ہیں جان!" عاصم کو اپنی الجھن بتاتی تو وہ اسے بانہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے بولا۔

"بڑی دور کی کوڑی لائے ہیں جناب!" اسے ہنسی آگئی۔

"شکر کرو اتنی اچھی ساس ملی ہیں۔ ورنہ بہو کو ستانے کا سب سے اچھا طریقہ ہمارے معاشرے میں یہ ہی ہے کہ اسے چولہے کے آگے مستقل کھڑا کردو۔" عاصم نے بات کو سرسری انداز میں لیا۔

آج تک کچن عافیہ بیگم ہی نے سنبھالا ہوا تھا' سو عروبہ کا یہ مسئلہ گھر میں سے تو شاید ہی کسی کو سمجھ میں آتا۔

"مگر میں بھی کچھ پکانا چاہتی ہوں۔ گھر والوں کے لیے۔ آپ کے لیے' میرا اتنا دل چاہتا ہے کہ آپ میرے ہاتھ کا بنا کھانا کھائیں۔ سچی میں بہت اچھا کھانا پکاتی ہوں۔" وہ الجھی الجھی سی کہہ رہی تھی۔ عاصم مسکرادیا۔

"چلو ٹھیک ہے' میں امی سے کہہ دوں گا۔ کل سے کھانا تم ہی بناؤ گی۔"

"وہ ہی ناراض تو نہیں ہوں گی؟" اسے خدشہ لاحق ہوا۔

"کم آن روبا! وہ بھلا کیوں خفا ہوں گی بھئی۔ بہو ہو اس لیے تمہارے نخرے اٹھارہی ہیں۔"

عاصم نے اسے سمجھایا تو وہ شانے جھٹک کے رہ گئی۔

"کچن کا اتنا خیال ہے اور شوہر کی کوئی پروا نہیں جو تمہاری ایک نظر کو ترس رہا ہے۔"

اس نے انداز بدلا تھا۔ کمرے میں عروبہ کی قلقل کرتی ہنسی گونج اٹھی۔

☼ ☼ ☼

آفس کے لیے نکلنے سے پہلے عاصم کچن میں آیا' جہاں عافیہ بیگم فریج میں موجود سبزیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"کیا بات ہے' کچھ چاہیے؟" انہوں نے اس کی موجودگی کو محسوس کرتے ہوئے پلٹ کر دیکھا اور پوچھا۔

"نہیں۔ خدا حافظ کہنے آیا تھا۔" وہ مسکرایا۔

"اچھا۔ دھیان سے جانا اللہ حافظ۔" انہوں نے اسے اللہ کی امان میں سونپتے ہوئے اپنا مشغلہ جاری رکھا۔

"آج کیا پکنے والا ہے؟" وہ جیسے بہ سبیل تذکرہ پوچھنے لگا۔

"گوشت کا ایک پیکٹ رکھا ہے' اسی کے لیے سبزی دیکھ رہی تھی۔ کیا خیال ہے گوبھی ڈال لوں یا مٹر؟" انہوں نے بتاتے ہوئے اس کی رائے چاہی تو وہ چند لمحے سوچنے کے بعد بولا۔

"مجھے تو دونوں ہی سبزیوں میں مٹن پسند ہے۔ آپ جو جی چاہے پکالیں۔"

"اچھا۔ چلو ٹھیک ہے۔" وہ ہنس دیں۔ "مٹر پلاؤ بنالوں گی اور چپاتیوں کے ساتھ گوبھی گوشت' ساتھ میں رائتہ سلاد تو ہوتا ہی ہے۔"

"اتنا لمبا چوڑا مینو ہے' تھک جائیں گی' عروبہ

سے ہیلپ لے لیجیے گا۔ بلکہ آج ہانڈی اسی سے بنوائیں۔ آپ پلاؤ بنا لیجیے گا۔" وہ خوش دلی سے انہیں مشورہ دے رہا تھا۔

"اتنا لمبا چوڑا بھی نہیں، پہلے بھی میں کرتی ہی ہوں، زینیہ رائتہ اور سلاد بنا لیتی ہے۔ اب عروبہ سے کہوں گی وہ بنا دے گی۔"

وہ سنجیدہ ہو گئی تھیں، ٹوکری میں سبزی نکال کے پلٹیں تو وہ ابھی بھی جیسے کچھ کہنے کے ارادے سے کھڑا تھا۔ انہیں اچھی طرح سے اندازہ ہو گیا کہ وہ کیا مسئلہ سلجھانے آیا ہے۔

"چلو جاؤ اب، دیر ہو رہی ہو گی۔" انہوں نے چھری تلاش کر کے ٹوکری میں رکھی۔

"امی! میں چاہتا ہوں کہ عروبہ بھی کچن کے کاموں میں آپ کی ہیلپ کرے۔ ایسے ہی فارغ بیٹھی رہتی ہے۔"

لگ رہا تھا کہ وہ عروبہ کے مسئلے کا حل چاہتا ہے۔

"ہاں، ہاں، کیوں نہیں، یہ لو اس سے بولو سبزی بنا دے اور پھر آ کے برتن دھو ڈالے۔ میں اتنی دیر میں گوشت چڑھا لیتی ہوں۔"

انہوں نے سبزی کی ٹوکری اسے تھمائی اور رواداری سے بولیں تو عاصم مزید بحث کیے بغیر عروبہ کو ٹوکری تھما کے آفس کے لیے نکل گیا۔

اور پھر یہ مسئلہ دن بہ دن زور پکڑنے لگا۔ عافیہ بیگم کسی طور عروبہ کو ہانڈی کی طرف آنے نہیں دیتی تھیں۔

"تم سبزی بنا لو، برتن دھو لو، سلاد یا رائتہ بنا لو۔"

عروبہ ایسی بھی کچن کے کاموں کی شوقین نہیں تھی، مگر یوں خود کا نفی کیے جانا اسے اچھا نہیں لگتا تھا۔ جیسے وہ کسی کام کی نہ ہو۔

"کبھی کبھار عروبہ سے بھی پکوایا کریں نا!" عاصم نے کئی بار کہا تھا۔

"تمہیں میرے ہاتھ کا پکا اچھا نہیں لگتا؟" انہوں نے خفگی سے پوچھا۔

"آپ سے اچھا تو کوئی بھی نہیں پکا سکتا۔"

"تو پھر کیا مسئلہ ہے؟" وہ الٹا پوچھتیں تو وہ لاجواب ہونے لگتا۔

"دیکھو ہم سب لوگ ایک ذائقے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اب ایک دم سے نئے ذائقے کو اپنانا بہت مشکل ہے ہمارے لیے۔"

انہوں نے کہہ ہی دیا تھا۔

عاصم تو خاموش ہوا ہی تھا اس نے عروبہ کو بھی جیسے تیسے کر کے سمجھا بجھا دیا۔

"میرا ابھی تو جی چاہ سکتا ہے بے وقت کوئی چیز پکا کے کھانے کو۔ اب ہر چیز امی سے تو فرمائش کر کے نہیں پکوا سکتی میں۔"

"اب ایسی بھی پابندی نہیں ہے تم پر۔"

عاصم نے اسے چھوٹ دی تھی۔ عروبہ نے اسی کو بہت جانا۔

عافیہ بیگم کھانا پکا کے فارغ ہو جاتیں تو وہ سویٹ ڈش بنانے گھس جاتی۔ کبھی زردہ، کبھی حلوہ اور کبھی گاجر کی کھیر۔

اور چیزیں بھی ایسی جو سب ہی شوق سے کھاتے تھے، سوائے عافیہ بیگم کے۔

وہ حلوے کی رنگت دیکھ کے ہی اسے ریجیکٹ کر دیتیں۔

"حلوہ تو میں بناتی ہوں، سب انگلیاں چاٹتے رہ جاتے ہیں۔ یہ دیکھو، نرا سفید میدہ لگ رہا ہے۔ بھونا ہی نہیں سوجی کو۔"

اور اگر کبھی وہ سوجی کو زیادہ بھون لیتی تو...

"تیز آگ پہ سوجی لال کر کے شیرہ ڈال لینے سے حلوہ تھوڑی بن جاتا ہے۔ کچا پن تو گیا نہیں، جو کھائے پیٹ میں درد ڈالے۔" اور یہ تبصرے وہ بہ بانگ دہل کرتی تھیں۔ سب ہی کو ان پر اعتراض ہوتا، مگر کوئی بھی بول کر اپنی عزت خراب نہیں کرنا چاہتا تھا۔ البتہ باقی سب کا شوق سے ہر چیز کھا لینا عروبہ کو تقویت دیے ہوئے تھا۔

مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ عافیہ بیگم کو اس سے کیا مسئلہ ہے۔

رات دیر تک سب باتیں کرتے رہے۔ نمرہ کے ساتھ اس نے پورا گھر دیکھا۔ یہاں اس کا بچپن گزرا تھا اور وہ سالوں بعد دوبارہ آئی تھی۔

"لگتا ہے کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہو گی۔ ورنہ تو جلدی ہی آجاتے ہیں۔" نمرہ نے اسے بتایا تھا۔

"میرے خیال میں انھیں فون کر دینا چاہیے۔" احمر نے مشورہ دیا۔

"تم اپنا خیال اپنے پاس ہی رکھو۔ سرپرائز بھی کوئی شے ہوتا ہے۔"

نمرہ نے اس کا خیال یکسر رد کر دیا تھا۔

"چلو بجو جی، جاگو پھر اور گیٹ کھولتی رہنا۔ میں تو چلا سونے۔" وہ بے دید بنا یہ گیا اور وہ گیا۔

"لو۔ آج بھی گیٹ میں ہی کھولوں گی بھلا۔" نمرہ ہنسی۔

"تو؟" زینب نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تم۔" وہ اطمینان سے بولی۔

"نا۔ میں نہیں۔" وہ گھبرا گئی۔ "ایسے اچانک میں ان سے نہیں مل سکتی۔"

"تو آرام سے مل لینا، اتنی جلدی کا ہے کی ہے۔"

نمرہ کو اس کی بات نے خوب ہی ہنسایا، تو وہ کھسیا گئی۔

"میرا مطلب ہے کہ میں صبح ہائے ہیلو کر لوں گی ان سے۔"

"بری بات۔ ان کی معصوم سی خوشی نہ چھینو جو تمہیں یوں اچانک سامنے پا کر انھیں ملنے والی ہے ظالم لڑکی۔" اور واقعی وہ منہ سر لپیٹ کے خود تو سو گئی اور اسجد کا انتظار کرنے کو نیند بھری آنکھیں لیے سفر کی تکان سے چور وہ بیٹھی رہی۔ کہیں بارہ بجے جا کے ڈور بیل سنائی دی تو اس نے شکر کا کلمہ پڑھا، مگر وہیں ایک جھجک قدموں کو روک رہی تھی۔ نمرہ کو جھنجوڑا۔

سب کیا سوچیں گے کہ آتے ہی۔

دوسری بار ڈور بیل کافی وقفے کے بعد بجی تو وہ جلدی سے بھاگی۔

گیٹ کھولنے تک اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو چکی تھیں۔ گیٹ کھولتے ہی وہ فی الفور پلٹ گئی، اس لیے وہ جان نہیں پایا تھا کہ گیٹ نمو نے نہیں کھولا۔

"اتنی دیر۔ اور میں نے کہا بھی تھا کہ احمر سے کہنا گیٹ کھولنے کو۔" وہ اندر داخل ہو کر چھوٹا گیٹ بند کرتے ہوئے ناراضی انداز میں بولا۔ اب وہ اس کی بات کا کیا جواب دیتی۔

"نمو۔!" وہ لمبے ڈگ بھرتا اس کے ہم قدم ہوا تو وہ سست پڑنے لگی۔ تب اسجد کو کچھ عجیب سا احساس ہوا۔

یہ سراپا اور پونی میں جکڑے کمر تک آتے سیاہ بال۔ وہ ایک دم سے اس کے سامنے آگیا۔

زینب اس خیال میں نہیں تھی، اس سے ٹکرا ہی گئی۔ مگر ادھر کون سا ایسا احساس تھا، بے اختیار ہی اسجد نے اس کے شانوں سے تھاما۔

"زینی۔! آئی ڈونٹ بلیو دس۔ یہ تم ہو؟" وہ بے حد حیران تھا۔

زینب کا چہرہ تمتما اٹھا۔ اسجد کے انداز میں محسوس کن بے اختیار وارفتگی تھا۔

"میں سرپرائز کو آئی تھی۔" وہ منمنائی۔

"مجھے کیوں نہیں بتایا۔ اگر کوئی اٹیک ہو جاتا مجھے تو۔!"

وہ اسے ہلکا سا جھٹکا دے کر بولا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ زینب کسمسا کر پیچھے ہٹی۔

"مجھے نیند آ رہی ہے۔ میں نے ذرا بھی ریسٹ نہیں کیا۔"

"فاؤل۔ سلام تک نہیں کیا تم نے۔"

"السلام علیکم۔" وہ خفیف سی ہو کر بولی۔

"وعلیکم السلام، جیتی رہو۔ کیوں آئی ہو؟" وہ اب شرارت پر اتر رہا تھا۔ زینب کا دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ وہ بھاگنے کے سے انداز میں اندر کی طرف بڑھی تھی۔ پیچھے ابھرنے والا اسجد کا قہقہہ اسے ٹھیک سنائی دیا تھا۔ اسے بھی ہنسی آگئی۔

☆ ☆ ☆

"اتنے اچھے چوکیدار رکھنے شروع کر دیے ہیں تم

لوگوں نے کہ میں آئندہ بھی گیٹ کی ڈپلی کیٹ چابی گھر
بھول کے جانا پسند کروں گا۔"

نمرو صبح کا ناشتا بنا رہی تھی' زنیبہ کو لاکھ چچی جان
نے منع کیا' مگر وہ بھی نمرو کا ہاتھ بٹانے کھڑی ہو گئی۔
سب سے پہلی کچن میں انٹری اسجد کی تھی۔ وہ نمرو
سے کہہ رہا تھا' مگر نگاہ انڈے پھینٹتی زنیبہ پر تھی۔
رائل بلیو کلر میں اس کی رنگت دمک رہی تھی۔ اور
کچھ اسجد کی آمد کا اعجاز تھا' اوپر سے اس کی گفتگو۔

"منہ دھو رکھیے بھائی جان! یہ بہت مہنگے والا
چوکیدار ہے' آپ افورڈ نہیں کر سکتے۔"
نمرو نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

"اپنا پیکیج بتاؤ۔ میں ہر قیمت پر تیار ہوں۔"
وہ کچن کیبنٹ کی ماربل ٹاپ پر چڑھ بیٹھا۔

زنیبہ نے نان اسٹک فرائنگ پین میں کوکنگ آئل
ڈالا تو کچھ زیادہ ہی چلا گیا۔

"ڈاکٹری نقطہ نظر سے اتنا آئل صحت کے لیے
نقصان دہ ہوتا ہے۔" اسجد کی نگاہ اسی پر تھی۔

زنیبہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ وہ بھنویں
اچکا کر مسکرا دیا۔

"آپ یہاں سے جائیں گے تو ہی ناشتا بنے گا۔"
وہ صاف گوئی سے بولی تو نمرو قہقہہ لگا بیٹھی۔

"ہاں نا۔ یہ عجیب عجیب باتیں کرتے رہیں گے تو
مجھ سے بھی الٹا سیدھا کام ہی ہو گا۔"
وہ کچھ الجھ کر بولی تھی۔

"میرے خیال میں تو آپ نے سن ہی لیا ہو گا۔"
نمرو نے شرارت سے بھائی کو دیکھا۔

"ہاں جی' بہت اچھے سے۔" اس نے گہری سانس
بھری۔

نمرو نے دادی جان کے ناشتے کی ٹرے اٹھائی اور
مسکراتے ہوئے کچن سے نکل گئی۔

اتنی دیر میں زنیبہ فرائنگ پین میں سے زائد آئل
نکال چکی تھی۔

"سفر کیسا گزرا تھا؟" اسجد نے گفتگو کا آغاز کیا۔

"ٹھیک۔"

"بس ٹھیک؟ کوئی خوشی نہیں تھی آ کے مجھ سے
ملنے کی' کوئی دل کی دھڑکن وڑکن ابنارمل نہیں
ہوئی؟"
وہ قدرے خفگی سے پوچھنے لگا تو زنیبہ کو بے ساختہ
ہنسی آ گئی۔

"یا تو آپ ڈائجسٹ پڑھتے ہیں یا پھر فلمیں بہت
دیکھتے ہیں۔"
اس نے انڈوں کا آمیزہ فرائنگ پین میں الٹ دیا
اور اب چمچے سے اسے پھیلا رہی تھی۔

"مطلب ایسا کچھ نہیں ہوا؟" وہ جیسے بہت
بے یقینی سے پوچھ رہا تھا۔

"آپ ابھی آملیٹ کھائیں گے یا آپ کو فرائی
کروں؟" زنیبہ نے اپنی طرف سے بہت ہوشیاری
سے بات پلٹی۔

"شاباش' آتے ہی مجھے فرائی کر دو۔"
وہ کچھ اس طرح سے بدک کر بولا کہ کچن میں داخل
ہوتی نمرو کی ہنسی چھوٹ گئی۔
زنیبہ خجل ہو گئی۔

"میرا مطلب انڈے سے تھا' فرائی ایگ۔"

"اب بندہ اس سے پوچھے' انڈوں سے مطلب
رکھنے کا کیا مطلب ہے؟ انسان تھوڑے پڑ گئے ہیں
کیا؟"
وہ خفا خفا سا نمرو سے مخاطب تھا۔

"آپ دونوں ڈائریکٹ ایک دوسرے سے بات
نہیں کر سکتے کیا؟" نمرو کو ابھی بھی ہنسی آ رہی تھی۔

"میں تو کر رہا تھا۔ یہ آگے سے پوچھ رہی ہے کہ
میرے ہاتھ کا بنا آملیٹ کھانا ہے یا آپ کو فرائی کر دوں'
یعنی ایک عدد آملیٹ نہ کھانے کی پاداش میں یہ ظالم
لڑکی مجھے روسٹ کرنے کو تیار ہے۔" وہ نمرو سے
شکایت کر رہا تھا۔

ان تینوں بہن بھائیوں کا یہ ہی اسٹائل تھا۔
بے تکلف سا' مگر زنیبہ کے لیے یہ سب نیا تھا۔
اسے اسجد کے مذاق اور سنجیدگی میں فرق کرنا مشکل
تھا۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔" وہ احتجاجاً بولی۔
"اچھا۔ میرے خیال میں تو یہ ہی کہا تھا کہ کھاتے ہیں آملیٹ یا پھر کروں آپ کو فرائی۔"
وہ مزہ لے رہا تھا، زنیرہ روہانسی ہونے لگی۔
"مگر میرا یہ مطلب نہیں تھا۔"
"ہاں۔ میں جانتا ہوں تمہارا مطلب صرف انڈے تک تھا۔ بڑی مطلبی ہو تم۔" وہ شکایتی انداز میں بولا تو لمحہ بھر اسے دیکھنے کے بعد وہ تیزی سے کچن سے نکل گئی۔
"او گاڈ!" نمرہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔
اسجد بھی کود کر نیچے اترا۔ وہ بڑبڑایا تھا۔
"لگتا ہے کچھ زیادہ ہی ہو گیا۔"
نمرہ نے خفگی سے کہا۔
"کر دیا ناراض اسے۔ لڑکیوں کا پتا بھی ہے آسانی سے نہیں مانتیں۔"
"خیر لڑکیوں کا تو نہیں۔ تمہارا ہی پتا ہے مجھے، صرف خرچے سے مانتی ہو تم۔"
وہ صاف گوئی سے کہہ رہا تھا۔
"مجھ پہ تو صرف چاکلیٹس اور آئس کریم خرچ ہوتی تھی۔ (ادھر) دیکھیے کیا کیا خرچ ہوتا ہے۔"
وہ مزے سے بولی تو گہری سانس بھرتا وہ کچن سے نکل آیا۔
زنیرہ دادی جان کے کمرے میں پھر ملی۔
اسے دیکھ کے بھی یوں ظاہر کیا جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔
"دادی جان! آپ نے ناشتا کر لیا؟" وہ ان کے ناشتے کی ٹرے میں رکھے خالی برتنوں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"ہاں میرے چاند! فجر کی جاگی ہوتی ہوں تو صبح سویرے ہی ناشتے کی طلب ہونے لگتی ہے۔"
وہ بولیں۔
"خوش قسمت ہیں آپ، جو کسی نے آپ کو ناشتا کروا دیا۔"
وہ گہری سانس بھرتا ان کے بستر پر ٹک گیا۔ ان کے بائیں طرف زنیرہ تھی۔ ان کی تسبیح کے دانے گنتی۔

"کیا مطلب ہے، تم نے ناشتا نہیں کیا ابھی تک؟"
وہ چونکیں۔
"مسئلہ ہے نا ذرا سا۔ اکیلی نمرہ کیا، کیا دیکھے، بے چاری کبھی توس سینک رہی ہے، کبھی پراٹھے اور کبھی آملیٹ۔ سب کے فارغ ہوتے ہی میری باری آئے گی۔ آج تو ویسے بھی چھٹی کا دن ہے۔"
وہ بڑی معصومیت سے کہہ رہا تھا، زنیرہ کانشس سی ہو بیٹھی، صاف اس پر کام چوری کا الزام دھرا جا رہا تھا۔
"نمو کہہ رہی تھی زنیرہ نے مل کے ناشتا بنایا ہے اس کے ساتھ۔" دادی جان باخبر تھیں۔
"میرا تو نہیں بنایا، جس کا بنایا ہو اسے پتا ہو۔" وہ فوراً مکر گیا۔
"کیوں زینی! ٹھیک کہہ رہا ہے یہ؟"
دادی جان نے پوچھا تو تھک کر اس نے تسبیح رکھ دی۔
"میں تو بنا ہی رہی تھی، مگر ان کا شاید ناشتے کا موڈ ہی نہیں تھا۔ تنگ کر کے مجھے کچن سے ہی نکال دیا۔"
صاف گوئی کی حد تھی۔ اسجد نے مسکراہٹ دبائی۔ نمرہ دیکھ چکی تھی خفگی سے منہ پھیرا۔
"بری بات ہے اسجد! مہمان کو تنگ کرنے سے گناہ ملتا ہے۔" دادی جان مسکرائیں۔
"پیاری دادی! میں اسے مہمان کب سمجھتا ہوں۔ مکین حریم دل و جان ہے یہ تو...!"
وہ روانی سے بولا تو دادی جان اتنی شستہ اردو میں اٹکیں، جبکہ زنیرہ کی رنگت پل بھر میں لال پڑی تھی۔
"چلو جو بھی ہے، اب دوستی کر لو اور خبردار! جو آئندہ کبھی اسے تنگ کیا ہو تو۔"
دادی جان نے معاملہ نمٹانا چاہا۔
"بصد شوق۔"
اسجد گویا تیار ہی بیٹھا تھا، فوراً" داہنا ہاتھ آگے بڑھایا، دوستی، مگر زنیرہ سٹپٹا گئی۔
"دیکھ لیں، آپ کی پوتی میں اتنی اکڑ ہے، اللہ نے شکل تھوڑی زیادہ ہی اچھی دے دی ہے شاید اسی کا

غرور ہے۔"

وہ شکایتاً" کہہ بھی رہا تھا تو کیا۔ وہ ہاتھ بڑھانے کی ہمت کرتی بھی تو کیسے۔

"نہ نہ۔ میری بیٹی بہت نیک سیرت ہے' سادہ طبیعت والی' غرور اور تنفر سے پاک۔"

دادی جان کو تو وہ ویسے بھی بہت پیاری تھی' فوراً اس کا فی البدیہہ قصیدہ پڑھ دیا تو اسجد نے مایوسی سے اپنا بڑھا ہوا ہاتھ ہلایا۔

"اچھا' میرا تجربہ تو کچھ اور ہی کہتا ہے۔" اس کی شکل دیکھ کے زنیرہ کا جی چاہا ہاتھ ملا ہی لے' مگر اس کی زبان جو پھلجھڑیاں چھوڑتی تھی' اس سے کچھ بعید نہ تھا کہ کیا کہہ ڈالتی۔ اسجد نے ہاتھ کھینچا اور اٹھ کھڑا ہوا۔

"ادھار رہا۔"

ایک نظر اسے دیکھتے ہوئے وہ ناشتا کرنے کا کہہ کر کمرے سے نکل گیا تو زنیرہ کو افسوس ہوا۔

☼ ☼ ☼
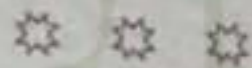
"جلدی سے تیار ہو جاؤ بھائی جان' باہر لے کے جا رہے ہیں۔" نمرہ شام کو بڑی پرجوش سی کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

"خیریت۔۔۔ لندن لے جا رہے ہیں یا پیرس؟" وہ ڈائجسٹ کے صفحات پلٹتی ٹھٹکی۔

"اوفوہ۔ بھائی جان کا کہیں تفریح کے لیے لے جانا لندن' پیرس جانے کے برابر ہی سمجھو ڈیئر! مہینوں بعد ہاتھ آتے ہیں' آج تو صرف تمہارے طفیل۔۔۔!"

وہ الماری میں سر گھسائے خوش دلی سے کہہ رہی تھی۔

زنیرہ کا دل بہت ترنگ میں دھڑکا۔ ڈائجسٹ پرے رکھ کے وہ تکیہ ٹھیک کرتی لیٹ گئی۔

نمرہ اپنے کپڑے نکال کے پلٹی تو اسے یوں اطمینان سے لیٹے دیکھ کر حیران ہوئی۔

"کیا ہوا؟ اٹھو نا!"

"آج دوپہر میں بھی نہیں لیٹی۔ ابھی بہت زوروں کی نیند آ رہی ہے۔" وہ جان بوجھ کر کسل مندی سے بولی۔

"تم آن زیبی! پیدل نہیں جانا' گاڑی پہ جا رہے ہیں۔" نمرہ نے اسے پچکارا۔

"موڈ نہیں ہو رہا۔" وہ کروٹ بدل گئی تو اس نے حربہ آزمایا۔

"بھائی جان کو خفا کرو گی؟" زنیرہ کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

"میرے جانے نہ جانے سے بھلا کیا فرق پڑتا ہے' تم جاؤ نا' ساتھ احمر کو لے جاؤ۔"

"وہ بھی جا رہا ہے' بلکہ صرف ہم چاروں جا رہے تھے۔"

"جا رہے تھے نہیں بلکہ جا رہے ہیں' جاؤ تیار ہو جاؤ۔" زنیرہ نے اسے تسلی دی تو وہ جل کر بولی۔

"لگ تو نہیں رہا' تم پروگرام خراب کراؤ گی' اٹھو جلدی سے۔"

"نہ۔ میرے ہاتھ میں درد ہو رہا ہے۔ مطلب میرے سر میں۔" اس نے نکمے سے بہانے بنائے تو نمرہ شانے اچکاتی کپڑے تبدیل کرنے واش روم میں گھس گئی۔

"تم دیکھنا! ابھی پتا چلے گا بھائی جان کو تو وہ ہمیں بھی گھر ہی چھوڑ کے جائیں گے' بہت پٹو گی تم ہم سے۔" نمرہ اسے ڈرا رہی تھی۔

"اب اتنی بھی اہم نہیں ہوں تمہارے بھائی جان کے لیے کہ میرے لیے وہ اپنا موڈ اور اپنی تفریح تباہ کرتے پھریں۔"

بالوں کو احتیاط سے کیچر میں سمیٹتے ہوئے وہ مگن سی تھی۔ دروازہ کھول کے اندر آتے اسجد کو دیکھ نہیں پائی۔

"چلو بھئی۔ ابھی تمہاری تیاری ہی ختم نہیں ہو رہی' رات پڑ جائے گی۔"

"بھائی جان! یہ زیبی نہیں جا رہی۔" نمرہ نے پول کھول ہی دی۔

"تم تیار ہو نا؟ چل کے گاڑی میں بیٹھو۔" وہ سرسری انداز میں نمرہ سے بولا تو اس نے منہ لٹکایا۔

"اور زینی۔۔ اس کے ہاتھ میں یا شاید سر میں درد ہکلائی۔
ہے۔"

"تمہارے تو نہیں ہے نا۔ چلو تمہیں فوراً" نکلنا ہے۔" وہ کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا تو نمرہ کو بھی بھاگنا پڑا۔ زنیرہ کا دل مایوسی سے بھر گیا۔

لو جی۔۔ یہ ہیں منگیتر صاحب' کون سا دل اور کہاں کی دلداریاں۔

دروازہ کھول کے نمرہ کو باہر نکالا اور دروازہ بند کر کے وہ واپس پلٹ آیا۔

"ہاں جی' کیا مسئلہ ہے آپ کو؟"

عین اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے اسجد نے پوچھا تو وہ چونک کر حال میں پلٹی۔

"جی۔۔ ٹھیک ہوں۔" سٹپٹا کر کہا۔

"تیار کیوں نہیں ہوئیں؟ "میں" نے کہا تھا کہ باہر جانا ہے۔" وہ "میں" پہ زور دیتے ہوئے بولا تو زنیرہ نے شانے اچکائے۔

"بس یونہی' دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"میرے ساتھ پہلی بار کہیں جا رہی تھیں اور تمہارا دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

اس نے گویا تصدیق چاہی۔

زنیرہ دھک سے رہ گئی۔

"میں نے یہ تو نہیں کہا۔"

جلدی سے کہا مبادا کچھ غلط فہمی نہ پنپ جائے۔

"او کے۔ یعنی دل چاہ رہا تھا۔ پھر تیار کیوں نہیں ہوئیں؟" وہ مسکرایا۔ اس کی ہوشیاری پر زنیرہ نے خفگی سے اسے دیکھا۔

وہ اتنا زبردست تھا کہ اس کی ایک بھی چلنے نہیں دیتا تھا۔ ایسے مرد کی بھی اپنی ہی ایک شان ہوا کرتی ہے۔

وہ شلوار قمیص بہت کم پہنتا تھا' زیادہ تر پینٹ شرٹ استعمال کرتا۔ مگر ابھی وہ نیوی بلو کرتا شلوار میں ملبوس بہت عام سے حلیے میں بھی شان دار لگ رہا تھا۔ بلکہ بہت خاص' دھڑکن کا انداز بدلا تو زنیرہ کی نگاہ دل کی بے ایمانی پر جھک گئی۔

"مم۔۔ میری طبیعت' ہاتھ میں درد تھا۔" وہ

اسجد نے نگاہ بھر کے اس کے سرخ پڑتے رخساروں کو دیکھا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"اس ہاتھ میں؟"

"نہیں۔۔۔ اس ہاتھ میں۔۔۔"

زنیرہ نے فی الفور داہنا ہاتھ لہرایا۔ تاکہ وہ دوسرا ہاتھ چھوڑ دے' مگر ادھر ایسا کوئی ارادہ نہ تھا۔ اس نے اس کا دایاں ہاتھ بھی تھام لیا۔

"اتنی نازک سی تو ہو۔ صبح پراٹھے بناتے ہوئے کچھ ہوا ہو گا یا پھر انڈے پھینٹتے ہوئے۔"

وہ شرارت سے کہتے ہوئے اس کے قریب ہوا۔ وہ برا ضرور مانتی' اگر دل کی دھڑکنیں قابو میں ہوتیں۔

اسجد نے اس کے ہاتھ کو خفیف سا لبوں سے چھوا۔

"خدا کرے تمہارا درد ٹھیک ہو جائے۔" وہ دھیمے لہجے میں بولا تو وہ حق دق سی کھڑی رہ گئی۔

"اور کہاں درد تھا' سر میں؟"

اس کی سانسیں زنیرہ نے اپنی سرد پڑتی پیشانی پر محسوس کی تھیں۔ وہ تیزی سے اپنے ہاتھ چھڑاتی پلٹ گئی۔

اس سے نگاہ ملانے کا یارا ہی نہ رہا تھا۔

"آپ جائیں۔"

"تمہارے بغیر؟ ناممکن' لاکھوں بار کی دیکھی جگہیں ہیں' بہانہ تو صرف تم ہو یار!"

اسجد نے آگے بڑھ کے اس کے شانوں سے تھاما اور محبت سے بولا۔ زنیرہ کے وجود میں خوشی اور سرمستی کی لہر سی دوڑ گئی۔

وہ محبوب اور شان دار سا شخص اسے اتنا خاص سمجھتا تھا۔

"تم ساتھ ہو گی تو ہر چیز کا نیا رنگ اور ہر رنگ کا نیا انداز ہو گا زینی!" اس کا رخ اپنی طرف موڑتے ہوئے وہ بہت چاہت سے کہہ رہا تھا' زنیرہ کی نگاہ اس کی نگاہ کی شدت سے جھکنے لگی۔

"اور اس سے پہلے کہ میں کچھ اور رومینٹک ہونے لگوں تم تیار ہو جاؤ' پلیز۔"

وہ یوں لجاجت سے بولا کہ زنیرہ کو نا صرف ہنسی آگئی بلکہ بہت سارا اعتماد بھی اپنے وجود میں سرایت کرتا محسوس ہوا۔

"اوکے۔" وہ دانتوں تلے لب دبا کے بولی۔

"اچھا۔" اسجد نے ہاتھ تھام کے روکا تو وہ ٹھٹکی۔

"پنک کلر بہت اٹھتا ہے تم پہ۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"گیٹ آؤٹ۔"

وہ محجوب سی ہو کر کہتی الماری کی طرف بڑھی تو وہ ہنستا ہوا باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

اور پھر ایک لمبے عرصے اور بہت سی بدمزگیوں کے بعد عروبہ کو کچن میں ہانڈی پکانے کی اجازت تو مل گئی مگر عافیہ بیگم کی کڑی نگرانی میں، عروبہ سر تھام کے رہ گئی۔ کیا درد سر مول لے لیا تھا اس نے بھی۔ سسرال میں کچھ پکانے کا شوق جیسے مر ہی گیا۔ اب تو وہ پکاتے ہوئے بھی یا اللہ ٹھیک پک جانے کی دعائیں مانگتی رہتی تھی۔

عافیہ بیگم کے اعتراضات بے شمار تھے۔

کاؤنٹر پہ کھڑے ہو کے آٹا گوندھنے پر اعتراض۔

"یہ اچھی رہی۔ ہم تو دو، دو گھنٹے آٹا گوندھتے رہتے تھے۔ ادھر اچھا مذاق ہے۔ آٹا ڈھیلا سا بھگو کے رکھا، آدھے گھنٹے کے بعد دو چار ہاتھ مار کے فارغ۔ ہم تو زمین پر پیڑھی پہ بیٹھ کے آٹا گوندھا کرتے تھے۔"

"مطلب تو آٹا گوندھنے سے ہے اور پھر روٹی تو ٹھیک بنتی ہے نا۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے۔" عروبہ نے تحمل سے کہا تھا۔ مگر یہ مسئلہ آئے دن وہ کھانے کی میز پہ چھیڑتیں۔

ہانڈی کو کتنا بھوننا ہے۔ یہ عافیہ بیگم بتاتیں، کتنا پانی ڈالنا ہے، اس کا حساب انہوں نے ایک مگ کے ساتھ رکھا ہوا تھا۔

وہ ہر کھانے کے ساتھ پانی کے مگوں کا حساب رکھتی ہلکان ہوتی رہتی۔ نتیجتاً کوئی سبزی صحیح بنتی تو کوئی بیٹھ جاتی۔

"یہ ہے کوکنگ تمہاری؟"

عاصم مذاق اڑاتا تو وہ سلگتی۔

"ڈنڈا لے کے سر پہ کھڑے ہو کر کام کرانے اور فری ہینڈ دینے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ میں ان کے ذہن سے تو کھانا نہیں پکا سکتی نا!"

"تو خود سے پکاؤ، وہ تو صرف طریقہ بتاتی ہیں نا!" وہ کہتا۔

"ان کے طریقے سے خود سے کیسے پکا سکتی ہوں۔ اب وہ تو بتا کے ہٹ جاتی ہیں کہ اس میں چار مگ پانی کے ڈال دو، اب اتنے پانی کے ساتھ سبزی کو گلانا، پانی سکھانا اور پھر اسے بھوننا، اتنی دیر میں سبزی کی جان نکل جاتی ہے۔ ہم نے تو کبھی سبزی میں پانی ڈال کے نہیں گلایا۔ دم پہ پکا کے پھر ہلکا سا بھون لو، بس۔" وہ تنگ آگئی تھی۔

عافیہ بیگم اور اس کے درمیان غیر معمولی سا کھنچاؤ در آیا تھا۔ اس کا کوئی کام کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ جب اس کی حوصلہ افزائی کرنے کی بجائے وہ سب کو سناتیں۔

"کھانا تو بناتی تھی میں۔ مگر اب تو جو سامنے آگیا شکر الحمدللہ۔"

عروبہ کو ان کا یہ ناشکرا پن بہت کھلتا۔ اس کا شدت سے جی چاہتا کہ وہ بھی کوئی بدمزاج اور سڑیل سی بہو ہوتی تو پھر عافیہ بیگم کو پتا چلتا جو اس کے سامنے صاف لفظوں میں کہتی تھیں۔

"بیٹی تو بیٹی ہوتی ہے بہو کبھی بیٹی نہیں بن سکتی۔"

تو جہاں یہ الفاظ بہو کے منہ پہ کہے جائیں تو اس کے ذہن میں ساس کا تصور ماں کا سا ہو سکتا ہے؟

ایک لڑکی جو اپنے گھر کے ساتھ ساتھ اپنے خونی رشتوں کو چھوڑ کر آپ کی نسل کی امین بن کے آپ کے گھر آتی ہے، اس کے حوصلے کا اندازہ کیجیے، اپنی ماں کے علاوہ کسی اور کو ماں کہنے کے لیے بہت بڑا دل چاہیے، عروبہ کو یاد تھا، شادی کے اولین دنوں میں ایک دفعہ عافیہ بیگم کے سامنے عاصم نے عروبہ کی امی کو "امی" کہہ کر بلایا تو عافیہ بیگم کو تو جیسے آگ سی لگ گئی۔

"تمہاری اپنی ماں نہیں ہے کیا' حد ہو گئی۔ سو رشتے ہیں بلانے کے لیے' ساس کو امی کہو گے اب۔"

وہ دن اور آج کا دن عاصم اس کی امی کو آنٹی کہہ کر ہی مخاطب کرتا تھا یا پھر تمہاری امی۔

اور اگر یہ حرکت بہو کرے تو' جی ہمیں ماں نہیں سمجھتی' یہ ہی کہا جاتا ہے۔

بہرحال چھوٹی چھوٹی کئی باتوں کو عافیہ بیگم کی بد مزاجی اور ڈکٹیٹرانہ طبیعت بہت بڑا بنائے ہوئے تھی۔

وہ جو ایک ولولے اور نئی سوچوں کے ساتھ سسرال میں آئی تھی' دل مسوس کر رہ گئی۔

دوسرے وہ چھوٹی سی چھوٹی بات فون پر اپنی بڑی بیٹی فاریہ سے شیئر کرنے کی عادی تھیں۔ صبح سے لے کر شام تک کے تمام معمولات کی رپورٹ اور ساتھ ساتھ اپنے خیالات اور تجزیے اسے بتاتیں اور یہ تمام باتیں یہ بانگ دہل کرتیں۔ بہو سنتی کو حتی ان کی بلا سے۔ مگر وہ یہ قطعاً نہیں سوچتی تھیں کہ اس طرز عمل سے وہ اپنی عزت بڑھا نہیں بلکہ گھٹا رہی تھیں۔

عروبہ کو بظاہر اس قدر پالشڈ اور مدبر دکھائی دینے والی عافیہ بیگم کا یہ روپ بہت ناقابلِ برداشت لگتا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ بے وقت گھر آیا تھا۔ گیٹ کی چابی اس کے پاس ہی ہوا کرتی تھی۔ نمرہ اور احمر بھی ابھی نہیں لوٹے تھے۔ چچی جان اور دادی جان' نمرہ کے لیے آئے کسی پروپوزل پر غور و فکر کر رہی تھیں۔

زنیرہ روٹیاں بنانے کے لیے کچن میں آئی تھی۔ اسجد سیدھا وہیں آیا۔

"السلام علیکم۔" اس کی دھڑکن اس اچانک سلامتی پر تیز ہو گئی۔ تیزی سے پلٹی تو اسجد کو سامنے پا کر حیران ہوئی۔

"آپ۔ اس وقت؟"

"یہ سلام کا نیا جواب ہے کیا؟"

وہ بھنویں اچکا کر پوچھنے لگا۔ زنیرہ خفیف سی ہوئی۔

"وعلیکم السلام۔"

"امی کدھر ہیں؟"

"دادی جان کے کمرے میں ہیں۔"

وہ فریج میں سے آٹے کا باؤل نکالنے لگی۔

"ایک کپ چائے ملے گی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔

"ہاں ضرور۔ مگر پہلے کھانا تو کھالیں۔ میں روٹیاں بنانے لگی ہوں۔" زنیرہ نے کہا۔

"سر میں سخت درد ہے پارٹنر' ایک کپ چائے اور ایک پرسکون نیند کی سخت ضرورت ہے۔"

زنیرہ نے دیکھا' اس کی آنکھوں میں ہلکی سی سرخی تھی۔ ذرا' ذرا بڑھی ہوئی شیو' وہ واقعی تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

تین دن پہلے ہونے والے بم بلاسٹ کے زخمیوں سے اسپتال بھرا پڑا تھا۔ وہ کلینک سے زیادہ اسپتال ہی میں پایا جاتا تھا۔ تھوڑی نیند اور زیادہ کام نے اثر دکھا ہی دیا تھا۔

"او کے' میں لاتی ہوں۔" زنیرہ نے سر ہلایا اور ساس پین میں پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا۔

وہ دادی جان کے کمرے میں گیا' پھر ان سے مل کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

چچی جان متفکر سی کچن میں چلی آئیں۔

"کہا بھی ہے یوں دیوانوں کی طرح کام مت کیا کرو۔ مگر یہ لڑکا سنے تو نا' اب رات کو کلینک پہ چلا جائے گا۔" وہ شکایتی انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"اسجد کے لیے چائے بنا رہی ہو' خالی چائے مت دینا' ساتھ میں بسکٹ لے جاؤ' کھانے پینے کا ہوش نہیں ہے اسے۔"

انہوں نے کیبنٹ میں سے بسکٹ کا ہاف رول نکال کر پلیٹ میں بسکٹ رکھے اور خود توے کے نیچے آگ جلانے لگیں۔

"میں روٹیاں بنالوں گی چچی جان!" زنیرہ نے کہا تو وہ بولیں۔

"تم چائے بنا کے دو اسے' دو' چار پھلکے ڈالنے ہیں' میں ڈال لوں گی۔" وہ مگ میں چائے ڈال کے بسکٹ کی پلیٹ ٹرے میں رکھنے لگی۔

ہلکا سا دروازہ کھٹکھٹا کر اندر داخل ہوئی تو نیم اندھیرے کمرے میں وہ بیڈ پر اوندھے منہ آڑا ترچھا لیٹا ہوا تھا۔ اس نے ہاتھ مار کر لائٹ آن کی تو وہ چونک کر پلٹا پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ زنیرہ نے ٹرے اس کے سامنے رکھی۔

"صرف چائے کہا تھا۔" وہ بسکٹ کی پلیٹ دیکھ کر بولا۔

"خالی پیٹ دوا نہیں کھانی چاہیے۔"

"میں صرف ایک ٹیبلٹ لوں گا۔" اس نے کہا تھا۔

"اس کے لیے بھی کچھ کھانا ضروری ہے۔" وہ اطمینان سے بولی۔ اسجد نے نگاہ بھر کے اسے دیکھا' پنک اور فیروزی رنگ کے لباس میں وہ اچھی لگ رہی تھی۔ اس کا خود سے لاپروا اور سادہ سا انداز اس کے روپ کو مزید دلکش بناتا تھا۔

"خیر۔ ضروری تو نہیں اور بھی بہت سے طریقے ہیں سر درد کو بھگانے کے' میں نے بتایا تو تھا ایک طریقہ۔" وہ شرارت سے بولا تو اس کی رنگت تپ اٹھی۔

"میں چلتی ہوں۔ نمرہ آنے والی ہے روٹیاں بنانی ہیں۔"

"کم آن یار! بیٹھو تو' پہلی بار میرے کمرے میں آئی ہو۔" وہ جلدی سے بولا۔

"نہیں۔ آپ عجیب سی باتیں کرتے ہیں۔" وہ صاف گوئی سے کہتی اسجد کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر گئی۔

"اچھا نہیں کروں گا' پرامس۔"

اس نے وعدہ کیا تھا' اور زنیرہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

اس روز چائے پیتے ہوئے اسجد نے اس سے ڈھیروں باتیں کی تھیں۔ اس کی پسند و ناپسند' اس کے خیالات' اس کی دلچسپیاں۔

اور زنیرہ نے بھی اسے قریب سے جانا کہ وہ کتنا پیارا شخص تھا' اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ زنیرہ کو پسند کرنے لگا تھا۔

"میں نے تو دادی جان کے کہنے پر ہاں کر دی تھی' بس۔ لیکن اب میں اپنے اس فیصلے سے بہت خوش ہوں۔" اس نے چھپایا نہیں تھا۔

اور اس کے اس برملا اعتراف نے زنیرہ کی روح تک کو شانت کر دیا۔ پھر وہ اٹھ کر اپنی وارڈ روب کی طرف بڑھا۔ واپس آیا تو اس کی مٹھی میں کچھ تھا۔

وہ زنیرہ کے پاس آ بیٹھا۔

"یہ تمہارے لیے۔" اس نے چٹکی میں پکڑ کر سونے کا نفیس سا بریسلیٹ لہرایا۔

"اونہوں۔" زنیرہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"خبردار' کسی بہت اچھے موقع پر دینے کا سوچا تھا اور قسمت نے آج اتنا حسین موقع دے دیا۔" اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

"اچھا نہیں لگتا ایسے' بے وجہ کا گفٹ۔" وہ ہچکچائی۔

"منگنی ہو چکی ہے ہماری' بے وجہ کا کیوں۔" وہ لاپروائی سے کہتے اس کی کلائی میں بریسلٹ پہنا کر لاک لگا رہا تھا۔

"پھر بھی۔" وہ شرمندہ ہو رہی تھی' اتنا قیمتی گفٹ لے کر۔

"تو چلو جواب میں تم بھی کوئی گفٹ دے دو۔" وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے مسکرا کر بولا تو وہ گڑبڑائی۔

"میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"ضروری تو نہیں پیسوں کی کوئی چیز ہو۔ ایک اچھی سی یاد۔ کوئی رومینٹک سی یاد۔"

وہ کہتے ہوئے شرارت سے اس کی طرف جھکا تو وہ تیزی سے اٹھ گئی۔ اسجد نے پھرتی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"رکو تو۔"

"بہت باتیں ہو گئیں اب بس۔" وہ قطعیت سے بولی تو وہ بھی اس کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

"لگتا تو نہیں کہ آپ کے سر میں درد ہے۔" زنیرہ کے طنز نے اسے ہنسا دیا۔

"یہ تو تمہارے قرب کا اعجاز ہے میری شریک سفر! مجھے ہر دکھ، ہر درد بھول گیا ہے۔ اے میری ہم نفس! زندگی کے سفر میں تم میرے ہم قدم ہو یہ احساس ہی مجھے ہر درد سے بے خبر کرنے کو کافی ہے۔"

وہ بے حد جذباتی اور شدت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا۔ زنیرہ جیسے پگھل پگھل گئی۔ جانے کیوں اس کی آنکھ بھر آئی تھی۔

اس کے لبوں سے ایک سسکی ابھری اور آنکھ سے آنسو کا قطرہ اس کے ہاتھ پہ ٹپکا۔

وہ چونک کر جیسے حال میں لوٹی تھی۔

"امجد۔"

اس کا نام پھر سے سسکی کی صورت اس کے لبوں سے آزاد ہوا تھا۔

"میری زندگی کس درد سے بھر گئی ہے کیا اس سے تم واقف نہیں ہو؟ اب تمہارا دل تمہیں کوئی سگنل نہیں دے رہا کہ مجھ پہ کیا بیتنے والی ہے۔"

اس نے بائیں کلائی سے لپٹے اس خوب صورت سے بریسلٹ کو دیکھا اور پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔

☼ ☼ ☼

عافیہ بیگم کے منع کرنے کے باوجود عروبہ نے جس طرح کچن سنبھالا تھا اس نے ان کے دل میں غصہ بھر دیا تھا۔ ایک بے وجہ کا غصہ اور مقابلہ عروبہ ایک سالن ان کے انداز اور مرضی کا پکاتی تو دوسرا یقیناً" اپنی مرضی اور پسند سے بناتی۔

"دراصل مجھے ٹنڈے گوشت پسند نہیں۔ میں نے اپنے لیے چنے کی دال ڈالی ہے گوشت میں۔" وہ آرام سے کہتی اور جب سب ہی ٹنڈوں سے زیادہ دال گوشت شوق سے کھاتے تو ان کا دل زہر سے بھر جاتا۔

وہ ان عورتوں میں سے تھیں، جو اپنی شہنشاہی آسانی سے چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتیں۔ اپنی من مرضی کرنے کو ہی تو وہ الگ ہوئی تھیں، ایسے کیسے سب کچھ عروبہ کے حوالے کر کے پلنگ پہ بیٹھ جاتیں اور انا کی اس لڑائی میں انہوں نے یہ بھی نہ سوچا تھا کہ مل جل کر زیادہ اچھے طریقے سے گھر سنبھالا جا سکتا ہے۔

ان کے اس شدید طرز عمل نے عروبہ کے اندر بھی ضد پیدا کر دی تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر وہ اس کی ماں اور اس کی تربیت پر جا پہنچتیں۔ وہ بھی ہر بات عاصم کو من و عن بتاتی۔

"یہ شکایت نہیں ہے۔ میں صرف ہر بات سے آپ کو باخبر رکھنا چاہتی ہوں۔ کل کو آپ یہ نہیں کہیں کہ میرے علم میں تو کوئی بات نہیں۔" ساتھ ہی وضاحت بھی کرتی۔

مگر روزانہ ہی کسی نہ کسی بات پر بدمزگی ہوتی رہتی۔ اب عافیہ بیگم نے طریقہ یہ اپنایا کہ ہر کام ہی عروبہ پر چھوڑ دیا۔ چھوٹے چھوٹے دو بچے سنبھالنے کے ساتھ ساتھ سبزی بنانے سے لے کر برتن دھونے تک، وہ بوکھلا کر رہ گئی۔

زنیرہ کو انہوں نے پڑھائی تک محدود کر دیا تھا۔

"ساری عمر پڑی ہے ان کاموں کے لیے۔" وہ آرام سے کہتیں۔

اور پھر یہ چھوٹے چھوٹے بادو باراں ایک بڑے طوفان کی شکل اختیار کر گئے اور کسی کو پتا بھی نہیں چلا۔

یہ ان دنوں کی بات تھی، جب زنیرہ دادی جان سے ملنے گئی ہوئی تھی۔ بخار کی وجہ سے عروبہ میں کام کی سکت نہ رہی مگر عافیہ بیگم نے نہ تو بچوں کو سنبھالا اور نہ ہی ہانڈی کی ذمہ داری واپس قبول کی۔ مجبوراً" جیسے تیسے کر کے عروبہ نے ہانڈی بنائی اور بچوں کو لے کر کمرے میں جا پڑی۔

رات کھانے کی میز پر انہوں نے چن چن کر کھانے میں نقص نکالے۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی امی!" عاصم نے ایک نظر سر جھکائے کھانا کھاتی عروبہ کو دیکھ کر کہا تو وہ چمکیں۔

"ہم نے بھی چار بچے سنبھالے اور ساتھ ساتھ گھر کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں۔ یہ بہانے ہمارے سامنے

نہ چلاؤ۔"

"مہمانے بنانے والی کیا بات ہے امی! میں نے آپ کو بتایا تھا مجھے بخار ہو رہا ہے۔"

عروبہ نے برداشت سے کام لیا تھا۔

"تو بی بی! بخار میں کون سا فاقے ہوتے ہیں۔ یہ بیٹھے ہیں تمہارے سسر صاحب پوچھ لو جو ایک دن بھی ناغہ ہوا ہو کھانے کا۔"

وہ بے حد تلخی سے بولیں تو شبیر احمد کو بھی بولنا پڑا۔

"اچھا اب خاموشی سے کھانا کھاؤ سب۔"

"کیا کھاؤ' یہ زہر کھانے کے قابل ہے کیا' نرا نمک۔" انہوں نے پلیٹ پرے کھسکائی اور تنفر سے بولیں۔

"دوپہر کو میں نے چکھا تھا۔ اتنا تیز تو نہیں تھا۔ شاید گرم کرنے سے مسالا خشک ہو گیا ہے۔"

عروبہ بمشکل بولی۔ مگر عافیہ بیگم نے تو جیسے اس کا پہلا جملہ ہی سنا ہو۔ ان کے تو تلووں لگی سر پہ جا بجھی۔

"ہاں ہاں' تم نے تو بالکل ٹھیک پکایا تھا۔ سن رہے ہیں آپ۔ مطلب یہ ہوا کہ جب اس نے پکایا تو اس وقت نمک ٹھیک تھا اور اس وقت جب کھا رہے ہیں تو تیز ہے۔ یعنی میں نے ڈالا ہے اس میں نمک۔ یہ ہے اس کی تربیت' حد ہو گئی' صحیح پڑھا کے بھیجا ہے ماں نے بی بی! کرلو مگر مانو مت کہ میں نے کیا ہے۔"

اب کی بار تو عافیہ بیگم نے حد ہی کر دی تھی۔

عروبہ تو زرد پڑتی رنگت لیے چھوٹے بڑوں کے سامنے اپنی کھنچائی ہوتی دیکھ رہی تھی۔ مجبوراً عاصم ہی کو ٹوکنا پڑا۔

"امی پلیز! یہاں بات عروبہ کی ہو رہی ہے۔"

"ارے جاؤ' بڑے آئے اس کے سگے۔ ایسی تربیت ماؤں ہی کی ہوتی ہے۔ سسرال میں لڑکی نہیں اس کی ماں کی تربیت بولتی ہے اور اسے تو میں بہت اچھی طرح سے دیکھ چکی ہوں۔"

وہ تذلیل کرنے میں ثانی نہیں رکھتی تھیں۔

"آپ مجھ سے کچھ بھی کہیں' مگر میری ماں تک نہ پہنچیں۔" عروبہ نے ہمت مجتمع کی تھی۔

"دیکھ رہے ہیں آپ' بہو تو بہو اب تو بیٹا بھی منہ کو آنے لگا ہے۔"

عافیہ بیگم نے فوراً ہی آب دیدہ ہو کر شبیر احمد سے کہا تو ان کا غصہ آسمان کو چھونے لگا۔

"اٹھو اور دفع ہو جاؤ۔ اس گھر میں بدتمیزیوں کی کوئی جگہ نہیں ہے۔"

ان کا فیصلہ اٹل تھا۔ مگر وہ بھول گئے کہ مقابل بھی ان ہی کا خون تھا۔ وہ بھی اسی وقت نوالہ پھینک کر اٹھ گیا۔

عافیہ بیگم کو بہت کچھ غلط ہونے کا احساس تو ہوا مگر بہت دیر ہو چکی تھی۔ قاسم نے بھی بات سنبھالنے کی کوشش کی' مگر دونوں میں سے کوئی بھی فریق جھکنے کو تیار نہ تھا اور سب سے بڑی بات یہ کہ عافیہ بیگم نیچا نہیں پڑنا چاہتی تھیں' سو دل پہ پتھر رکھ کے سر منہ لپیٹے پڑی رہیں۔

گاڑی کی آواز آئی تو قاسم نے آکر بتایا کہ وہ لوگ جا چکے ہیں تو وہ دل تھام کے رہ گئیں۔ بھلا کہاں جاتا وہ اس رات میں چھوٹے بچوں کے ساتھ؟

"چار دن سسرال میں رہے گا تو زمانے کے جوتے کھا کر واپس لوٹے گا۔"

شبیر احمد نے تبصرہ کیا اور کروٹ بدل کے لیٹ گئے۔

❋ ❋ ❋

اگلی صبح زنیرہ کو اسجد خود چھوڑنے آیا۔

"بہت یاد آؤ گی اس بار' میرے خیال میں باہر جانے سے پہلے میں تمہیں رخصت کرا کے لے جاؤں۔"

اس نے کہا تھا اور وہ سرخ چہرہ لیے اسے گھور کر رہ گئی تھی۔ شام کو وہ واپس ہو لیا۔

زنیرہ کو قاسم کے ذریعے تمام حالات کا علم ہوا تو وہ دل تھام کے رہ گئی۔ فاریہ کو فون کر کے عاصم اور عروبہ کا پوچھا' مگر وہ تمام واقعہ سے لاعلم تھی' پریشان ہونے لگی۔

ادھر عاصم نے دو دن ہوٹل میں سوچ بچار میں گزارے اور تیسرے روز سیدھا پنڈی کا رخ کیا اور دادی جان کے پُرشفقت سائے میں جا کر سکھ کی سانس لی۔

مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی یہ حرکت زنیرہ کی زندگی میں کیسا خطرناک موڑ لانے والی ہے۔

زنیرہ کو اسجد نے انفارم کیا اور وہ خوشی خوشی عافیہ بیگم کے پاس گئی۔

عاصم کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملنے پر وہ بہت ملول و افسردہ تھیں، مگر اپنی ہار ظاہر نہ کرتیں۔

"امی! بھائی کا پتا چل گیا' وہ دادی جان کے پاس ہیں۔" زنیرہ نے جیسے "خوش خبری" سنائی تو وہ پہلے تو اسے گھورتی رہیں۔

زنیرہ کنفیوژ ہونے لگی۔

"اسجد نے بتایا ہے۔"

"بہت خوب' تو اب دادی کے ساتھ محاذ بنا کے جنگ لڑے گا وہ۔" انہوں نے کہا بھی تو کیا؟ وہی اپنی مرضی کا مطلب۔

اور شبیر احمد کو بھی پتا نہیں کن لفظوں میں ساری رپورٹ دی۔

انہوں نے صاف لفظوں میں زنیرہ اور اسجد کے رشتہ کو ختم کرنے کا اعلان کیا تھا۔

"جن کو ہماری عزت کا احساس نہیں، ہمیں ان سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا۔"

انہوں نے فون پر بھائی سے صاف لفظوں میں کہا تھا۔

"ہم کسی بھی صورت عاصم اور بھابھی کو یہاں سے کہیں نہیں جانے دیں گے۔ آپ گھر لے جانا چاہیں تو بصد شوق' مگر وہ یہاں سے نکل کر در در کی ٹھوکریں کھائیں' یہ کبھی نہیں ہوگا۔"

اسجد نے ان کا فیصلہ سن کر بھی صاف اور متوازن لہجے میں اپنا فیصلہ سنایا تو وہ بل کھا کر رہ گئے۔

یہ سوچے بغیر کہ مقابل ان کا اپنا خون ہے۔

اور زنیرہ۔۔۔

اس کا کون سوچتا؟

وہ تو جیسے بے پتوار کی کشتی میں سوار تھی۔ خوف زدہ اور منزل سے لاعلم۔

اور پھر اسجد نے اسے شاید آخری فون کیا تھا۔

"یہ تمہاری لڑائی ہے زنی! تائی جان کے سامنے تمہیں اٹھنا ہوگا۔ تم میری منکوحہ نہیں ہو کہ عدالت میں مقدمہ کر کے تمہیں جیت لاؤں۔ تم اسٹینڈ لوگی تب ہی کوئی فیصلہ ہوگا۔ عاصم اور عروبہ کو میں یہاں سے کہیں جانے نہیں دوں گا اور رہا میں' تو میں تاعمر تمہارا انتظار کروں گا۔" وہ اس کی کمزور جان پر سارا بوجھ ڈال کر مطمئن ہو گیا تھا اور ادھر وہ کیا کرتی۔

دنوں میں عافیہ بیگم نے اس کے لیے رشتہ ڈھونڈ کر بات طے بھی کر دی' بلکہ ایک مہینے کے اندر اندر شادی کا فیصلہ بھی کر لیا۔ تقدیر جانے کیا رنگ دکھانے والی تھی؟

☼ ☼ ☼

"ہوش کے ناخن لو عافیہ! رشتے ایسے نہیں توڑے جاتے۔ بیٹا اور بہو تو ہاتھ سے گئے ہی تھے اب بیٹی کا گھر بھی اجاڑ رہی ہو۔"

دادی جان نے اتنے سخت لہجے میں ان سے کبھی بات نہ کی تھی۔ حتیٰ کہ وہ ان کے بیٹے کو لے کر الگ بھی ہو گئیں۔ مگر اب جب بات ان کے پوتے اور پوتی کی تھی تو وہ یقیناً "اصل سے سود کو پیارا جانتے ہوئے" کمر کس کے میدان میں کودی تھیں۔

عافیہ سلگ اٹھیں۔

"گھر میں نے اجاڑا ہے یا آپ بدلے لینے پر اتری ہوئی ہیں۔" ان کی تیز لہجے میں کہی گئی بات پر دادی جان حیران ہوئی تھیں۔

"میں۔۔۔ کاہے کے بدلے لوں گی تم سے؟"

"کسی کو بھی میرا ہنستا بستا گھر برداشت نہیں تھا۔ جوڑ توڑ کر کے میرے بیٹے کو تو ورغلا ہی لیا مگر اپنی بیٹی کو برباد ہونے نہیں دوں گی میں۔"

وہ کہاں کی کہاں لے گئی تھیں۔

"خدا کی پناہ مانگو عافیہ!" وہ غصے سے کانپنے لگیں۔
"اور ذرا اپنے اطوار پر بھی غور کرو۔ دوسروں کی تربیت میں کیڑے تو فوراً دکھائی دے جاتے ہیں مگر خود کو تو ہمیشہ بالکل درست سمجھتی ہو۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ پہلے بھی تم نے ناعاقبت اندیشی سے کام لیا اور ایک ہنستے بستے گھر کو تباہ کیا اور اب اپنے گھر کے سکون کو بھی تم خود ہی تہہ و بالا کیے دے رہی ہو۔ زنیرہ کا اس سارے قصے میں کیا قصور ہے؟"
"اس کا کوئی قصور نہیں ہے، اسی لیے تو اسے قربانی کا بکرا بنانے سے گریز کر رہی ہوں۔"
وہ اطمینان سے بولیں۔ دادی جان کو کلسا کر انہیں بہت سکون ملا تھا۔
"شرم کرو عافیہ! رشتے ناتے کھیل نہیں ہوتے کہ جب جی چاہا کھیل لیا جب مرضی نہ ہوئی کھیل خراب کر دیا۔ یہ بچوں کی زندگیوں کا معاملہ ہے۔ پانچ سال ان کی منگنی رہی ہے۔"
انہوں نے گھر کا تھا۔
"نکاح تو نہیں تھا نا اور ویسے بھی زینی کو خدا کے فضل سے اچھا رشتہ مل چکا ہے۔ وہ لوگ ایک ماہ کے اندر اندر شادی پر زور دے رہے ہیں۔"
وہ تفاخر سے کہتی انہیں دکھ اور تاسف کا شکار کر گئیں۔
"اسجد میں کیا برائی تھی بہو! اتنا خوب سیرت و خوب صورت برسر روزگار ہے۔"
"گیہوں کے ساتھ گھن پسنے کی روایت تو بہت پرانی ہے۔ ویسے بھی آپ سے بات کرنا عبث ہی ہے۔ آپ نے میرے مقابلے میں ہمیشہ ہی دوسروں کا ساتھ دیا ہے۔" وہ آرام سے بولیں۔
"مگر اس بار دوسروں کی صف میں تمہارا اپنا بیٹا ہے عافیہ! سوچ کر قدم اٹھاؤ اور وہ خود میرے پاس آیا ہے نہ کہ میں نے اسے۔" انہوں نے نصیحت کی تھی۔ مگر کوئی نصیحت چاہے بھی تو۔
"میری طرف سے تو یہ رشتہ ختم ہی ہے، باقی باتیں اپنے بیٹے سے طے کر لیجیے گا۔ خدا حافظ۔"
عافیہ بیگم نے رکھائی سے بات ختم کر دی تھی۔

☼ ☼ ☼

قاسم نے تو صاف اس نئی منگنی کا بائیکاٹ کیا تھا اور زنیرہ کو بھی انکار کے لیے ڈٹ جانے کے لیے خوب اکسایا تھا۔
"میں کیا کروں۔ ماں باپ کے سامنے آ کھڑی ہوں؟ وہ ماں باپ خود سے جنہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ میری زندگی برباد کر رہے ہیں۔" وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔
"بغاوت اسی کو کہتے ہیں۔ فی الحال زندگی بربادی کی طرف جا رہی ہے۔ مکمل بربادی سے پہلے سدِباب کر لو۔"
اس نے سمجھایا کہ جب تک وہ خود گھر والوں سے بات نہیں کرے گی بات میں وزن نہیں آئے گا۔
مگر عافیہ بیگم اور شبیر احمد سے اس موضوع پہ بات کرنے اور اسجد کے بغیر مر جانے کے ڈائیلاگز بولنے کی ہمت تو وہ مر کر بھی نہ کر سکتی تھی۔ عافیہ بیگم تو اسے نگاہوں ہی سے چیر پھاڑ ڈالتیں اور رہے شبیر احمد تو ان تک عافیہ بیگم نے اولاد کو جانے ہی کب دیا تھا۔
البتہ فاریہ کے سامنے اس نے ڈھیروں ڈھیر اعتراض کیا۔
"دیکھو زینی! امی ایسے ہی تو یہ فیصلہ نہیں کر رہیں۔ دل دکھا ہے تو ہی مقابلے پہ آئی ہیں۔"
اسے پہلے جملے ہی سے اندازہ ہو گیا کہ فاریہ کی برین واشنگ عافیہ بیگم اچھی طرح کر چکی ہیں، ورنہ یہی فاریہ، اسجد سے بے حد متاثر تھی بلکہ اس سے کافی دوستی بھی تھی فاریہ کی۔
"جس کا دل دکھا ہو، وہ دوسروں کا دل نہ دکھانے کی سوچتا ہے۔ امی تو میرا ابھی دل دکھانا چاہتی ہیں۔"
زنیرہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کے ملتجیانہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"تم بے وقوف ہو۔ اسجد پوری زندگی نہیں تھا تمہاری۔" فاریہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

"وہ میری پوری زندگی ہے آپی! پچھلے پانچ برسوں سے میں جس شخص کو آئندہ زندگی میں ہر پل اپنے ساتھ سوچتی آئی ہوں اسے میں یوں اپنی زندگی سے مائنس نہیں کر سکتی۔"

اس کے آنسو بہہ نکلے تھے۔

"اتنی کمزور مت بنو زینی! زندگی اتنی آسانی سے ختم نہیں ہو جاتی یہ بے وقوفی کی وہ باتیں ہیں جن پر بعد میں ہنسی آتی ہے۔"

"ہنسی انہیں آئے گی جن کے فیصلے چلیں گے میرے لیے تو فقط رونا ہی رونا ہو گا آپی۔"

وہ واقعی رو دی تھی۔ فاریہ کو غصہ آیا۔

"تمہیں اپنے دل کی اپنی زندگی کی بہت فکر ہے۔ امی کا سوچا ہے کبھی... عاصم کے فیصلے سے ان کے دل پہ کیا بیتی ہے؟ کیسے نیچا دکھایا ہے انہیں وہاں رکھ کے ان لوگوں نے امی کو۔"

مارے دکھ کے اس کے آنسو تھمنے لگے۔

"اس میں بھی وہ لوگ غلط ہیں آپی...؟" وہ شدید تاسف سے بولی تو الفاظ زبان کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔

"ہمارا بھائی ہمارا ماں جایا اپنے چھوٹے بچوں اور بیوی کو لے کر آدھی رات کو گھر سے نکلتا ہے تو اسے پناہ دینے والا ہمارا دشمن ہے؟ انہیں چاہیے تھا کہ اپنے گھر کے دروازے بند کر لیتے یا پھر انہیں دھکے دے کر نکال دیتے؟"

فاریہ سنبھلی۔

"میں نے یہ نہیں کہا۔ مگر عاصم کی بھی غلطی ہے۔ اس سے کس نے کہا کہ ایسا قدم اٹھائے اور اپنے ساتھ تمہاری زندگی بھی برباد کرے۔"

"امی نے کبھی مفاہمت اختیار ہی نہیں کی آپی! عروبہ بھابی تو بہو تھیں مگر امی نے بھی کبھی ماں بن کے انہیں اس گھر میں قبول نہیں کیا۔ جہاں رشتوں کو قبولنے کے بجائے محض "برداشت" کیا جاتا ہو وہاں رشتوں کی بنیاد فقط ریت ہوتی ہے فولاد نہیں۔"

وہ تلخی سے حقیقت بیان کر رہی تھی۔ فاریہ نے ناگواری سے اسے دیکھا۔

"وہ بھی کچھ کم نہیں کر کے گئی۔"

"ہاں۔ ان کا قصور تو بہت بڑا ہے۔ آرام سے بیٹھی رہتیں بستر پہ پکا پکایا کھاتی رہتیں۔" وہ اسی انداز میں بولی۔

"اب بھی دیکھ لو۔ بنا سوچے سمجھے فیصلے کا نتیجہ۔" فاریہ نے فی الفور کہا تھا۔ اسے رونا آنے لگا۔

"امی کو میری زندگی کی بربادی کا کوئی احساس نہیں؟"

"احساس ہے تب ہی تو یہ قدم اٹھا رہی ہیں۔ جو لوگ ابھی ان کی عزت نہیں رکھ رہے، وہ بعد میں کیا کریں گے۔"

فاریہ کو ماں نے مکمل پٹی پڑھائی ہوئی تھی۔ اس کی اپنی تو گویا کوئی سوچ ہے ہی نہیں تھی۔

"عزت ہی تو رکھی ہے انہوں نے آپی! مگر امی سمجھیں تو نا! اگر وہ دروازے سے لوٹا دیتے بھائی جان اور ان کے بیوی بچوں کو سڑکوں پہ رلنے دیتے تو عزت بچتی آپ کی؟"

وہ رنج و غم سے چیخ اٹھی تو فاریہ سٹپٹائی۔ کہہ تو وہ ٹھیک ہی رہی تھی۔ مگر عافیہ بیگم نے بھی رشتہ ختم کرنے کی جو وجوہات بتائی تھیں وہ غلط نہ تھیں۔

"امی! صرف اپنی انا کی ہار برداشت نہیں کر پا رہیں اور اس کھیل میں وہ بیٹا تو ہار ہی چکی ہیں اب بیٹی کی زندگی بھی داؤ پر لگا رہی ہیں۔"

وہ بھیگے تلخ لہجے میں بولی تو فاریہ نے سر تھام لیا۔ مطلب... وہ بے بس و لاچار تھی۔

☼ ☼ ☼

اسجد کا فون آیا تو وہ روتی چلی گئی ساتھ ہی جو منہ میں آیا وہ بھی کہہ دیا۔ اس نے بہت تحمل کے ساتھ ساری لعن طعن سنی اور اسے دل کا غبار نکالنے دیا۔ جب وہ تھمی تو رسان سے بولا۔

"اب جاؤ اور منہ پہ پانی کا ایک چھینٹا مار کے آؤ۔"

اور واقعی وہ سیل فون رکھ کے گئی اور جب منہ دھو

کے ناول سے خشک کر کے آئی تو خود کو بہتر محسوس کر رہی تھی۔

"کیسی ہو۔۔۔؟" وہ جیسے بڑے نارمل حالات میں گفتگو کر رہا تھا۔

"میرے زخموں پہ نمک چھڑکنے کو فون کیا ہے آپ نے؟" وہ جس پہ تپ سکتی تھی تپی۔

"میں نے سوچا تھا شاید تائی جان بدل گئی ہیں مگر وائے حسرت۔" وہ گہری سانس بھر کے بولا تو زنیرہ کو رونا آ گیا۔

"اسجد! پلیز کچھ کریں۔ امی کہیں اور میری بات طے کر چکی ہیں۔" وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"بتایا ہے مجھے عاصم نے۔ وہ تو بہت غصے میں ہے۔ یہاں سے جانے کا کہہ رہا تھا۔ مگر میں اسے ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ کوئی اور ٹھکانہ تو ہے نہیں اس کا۔۔۔"

"ہمارا کیا ہو گا اسجد۔۔۔؟" اس کی آواز کپکپا سی گئی۔

"دیکھو زینی۔ ! عاصم کا یہاں سے چلے جانا مسئلے کا حل نہیں ہے۔ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اگر وہ یہاں سے چلا بھی جاتا ہے تب بھی تائی جان جتنی آگے جا چکی ہیں ان کی واپسی مشکل ہے۔"

وہ بڑے معتدل لہجے میں گویا ہوا تو زنیرہ صدمے سے چلا اٹھی۔

"تو۔۔۔ کیا کرنا چاہیے مجھے۔ اس الو کے پٹھے سے شادی کر لینی چاہیے جسے انہوں نے میرے لیے ڈھونڈا ہے۔"

"میں یہ نہیں کہہ رہا۔۔۔" اسجد نے کہنا چاہا مگر وہ سن کہاں رہی تھی۔

"واپسی تو میری مشکل کر دی ہے آپ نے اسجد! میں تو ان جذبوں سے انجان تھی ان راستوں سے یکسر لاعلم اور اب بند گلی میں لا کے کہتے ہو راستہ خود تلاشو؟"

"تو کیا کروں۔۔۔ بھگا کے لے آؤں تمہیں؟" وہ بھی قدرے غصے میں آیا تھا۔ تیز آواز میں بولا تو وہ رونے لگی۔

"ام۔ ام سوری زینی۔۔۔ !" وہ فوراً ہی ٹھنڈا پڑ گیا۔

"میری جان! میں بھی اسی سولی پہ لٹک رہا ہوں۔ تم کیا سمجھتی ہو کہ تائی جان کے اس فیصلے نے میری زندگی کو ہلا کر نہیں رکھ دیا؟ تم میری زندگی میں پہلی اور واحد لڑکی ہو جس کے لیے میری بہت خاص فیلنگز ہیں زینی! اتنے عرصے میں میں نے تمہارے بغیر کچھ سوچا ہی نہیں مگر اب جو کچھ بھی کرنا ہے تم ہی کو کرنا ہے۔"

"میں کیا کروں۔۔۔؟ نکاح کے وقت انکار کر دوں؟" وہ چڑی۔

"ہاں تم کر سکتی ہو۔ تمہارا مذہب تمہیں حق دیتا ہے۔" وہ فی الفور بولا۔

"مذہب تو بہت سے حقوق دیتا ہے غضب تو یہ دنیا والے ہی کرتے ہیں۔"

اس نے تلخی سے کہتے ہوئے رخسار سے آنسو جھٹکا۔

"میری بس میں کچھ بھی نہیں ہے زینی! تائی جان نے فون کر کے میری ماں اور ماں سے بڑھ کے دادی جان سے بہت فضول باتیں کی ہیں۔ جو میری برداشت سے باہر ہیں۔ ایسی صورت میں میں انہیں تمہاری ہاں بھیجنے کا رسک نہیں لے سکتا کیونکہ یہ بات تم بھی اچھی طرح جانتی ہو اور میں بھی کہ تائی جان وہی کریں گی جو وہ سوچ چکی ہیں۔"

"تو میں کیا کروں۔ کامران سے شادی کر لوں چپ چاپ؟" اس کا دل کٹنے لگا۔

"تم حق رکھتی ہو انکار کا زینی!" اسجد نے اسے یاد دلایا۔

"دن ہی کتنے رہ گئے ہیں اسجد!" وہ بلک گئی۔

"انکار کا کیا ہے زینی! وہ تو تم عین نکاح کے وقت بھی کر سکتی ہو۔ مگر بہتر ہے کہ ابھی کرو اور اس پر اڑ جاؤ۔ کم سے کم لڑکے والوں کی نکاح والے روز تو انسلٹ نہ ہو۔" وہ اسے سمجھا رہا تھا۔

"آپ خود کیوں نہیں کچھ کرتے۔ میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے۔" اسے اپنے ماں باپ کا سوچ کر ہی ڈر

لگنے لگا۔ وہ بھلا اتنی ہمت دکھا سکتی تھی۔
مگر اسجد نے صاف لفظوں میں اس سے کہہ دیا تھا کہ اس آزمائش میں سے اسے خود ہی نکلنا ہو گا۔ وہ اسے بھگا لے جانے کے حق میں قطعی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اور آج کامران کی ماں اور بہن اسے شاپنگ کے لیے لے جانے والی تھیں۔
"اچھا ہے نا! تڑپتے رہنا پھر۔ اگر تم کچھ نہیں کر سکتے تو میں بھی اتنی دلیر نہیں بن سکتی۔" وہ غصے میں ہی ان کے ساتھ جانے کو تیار ہو گئی تھی۔ صبح بطورِ خاص اسجد کو میسج کر کے بتایا بھی تھا۔
دوپہر کا کھانا کامران کی امی اور اس کی بڑی بہن نازیہ نے انہی کی طرف کھایا اور اس کے بعد چائے کا دور چلا۔ آج عافیہ بیگم نے بطورِ خاص زنیرہ کی کلاس لی تھی۔
"خبردار جو آج ان کے سامنے ماتمی شکل بنا کے آئیں تو... یاد رکھو شادی تو تمہاری کامران ہی کے ساتھ ہونی ہے پھر آج یہ سب کر کے آئندہ کے لیے مشکلات پیدا مت کرو۔"
"میرا دل نہیں چاہتا..." وہ رونے کو تھی۔ "مگر کوئی رونا دیکھنے کو تیار بھی تو ہو۔ وہ غرائیں۔
"تو پھر میں تمہارے باپ سے بات کرتی ہوں۔ یہ دل کی باتیں انہی کو بتانا۔"
ان کی دھمکی محض دھمکی نہیں تھی... یہ زنیرہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اسجد سے بات ہونے کے بعد اس نے سوچ لیا تھا کہ اب وہ ہنسی خوشی کامران کے گھر والوں کے ساتھ جا کے شاپنگ کرے گی۔ محبت کا دعوا تو وہ بھی کرتا تھا... اتنی آسانی سے برداشت کر پائے گا؟ مگر اب جبکہ وہ ان کے ساتھ گاڑی میں چلی آئی تھی تو دل ڈوبنے لگا۔
(تو کیا میں نے اسجد سے بچھڑنے کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھ دیا ہے؟) اس کے قدم سست پڑنے لگے۔
"کیا ہوا... ابھی سے تھک گئیں؟" نازیہ اس کی سست روی پہ ہنسی۔
"میں گاڑی میں جا کر بیٹھتی ہوں۔" اس نے خشک ہوتے لبوں پہ زبان پھیری۔
"ابھی تو برائیڈل ڈریس رہتا ہے زنیرہ!" وہ کچھ برا مان گئیں۔
"میں تھک گئی ہوں۔ میں نے کبھی اتنی شاپنگ نہیں کی۔" وہ بے بسی سے بولی۔
جی تو چاہ رہا تھا سب کچھ چھوڑ چھاڑ یہاں سے بھاگ جائے۔
"چلو کوئی بات نہیں۔ تم چل کے گاڑی میں بیٹھو۔ ہمارا تھوڑا سا کام باقی ہے تھوڑی دیر تک ہم بھی آرہے ہیں۔"
اس کی ہونے والی ساس نسرین بیگم اچھے مزاج کی خاتون تھیں۔ بیٹی کی طرح انہیں ذرا ذرا سی بات پر برا ماننے کی عادت نہ تھی۔ اب بھی انہوں نے زنیرہ کی زرد پڑتی رنگت پر ترس کھایا تھا۔
"گاڑی میں ڈرائیور ہو گا..." وہ ہچکچائی۔
"تم جا کے بیٹھو گی تو وہ خود ہی باہر چلا جائے گا کہنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہمارا بس پندرہ بیس منٹ کا کام ہے۔" انہوں نے اس کا رخسار تھپتھپا کر تسلی آمیز لہجے میں کہا تو وہ ان کا شکریہ ادا کرتی شاپنگ پلازہ کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھی۔ یہ جانے بغیر کہ کوئی گھر سے شاپنگ سینٹرز اور اب اس پلازہ سے باہر جاتے ہوئے اس کے تعاقب میں ہے۔
آٹومیٹک ڈور سے باہر نکلتے ہی کسی نے ایک دم سے اس کی کلائی تھامی تو زنیرہ کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ سرعت سے جسارت کرنے والے کو دیکھا تو اسجد کو سامنے پا کر متحیر ہو گئی۔
کچھ کہے بنا وہ اس کا ہاتھ تھامے ایک طرف چل دیا اور ساتھ زنیرہ بے جان قدموں سے جیسے گھسٹتی جا رہی تھی۔
پلازہ کے بالکل پاس ہی موجود چھوٹے سے کیفے میں لا کر اس نے زنیرہ کا سرد پڑتا ہاتھ چھوڑا تو وہ بے دم سی کرسی پر گر گئی تو وہ اس کے مقابل بیٹھا تھا۔

"اب سناؤ۔ کیا حال چال ہیں؟"
وہ بے حد بشاشت سے پوچھنے لگا تو زینیہ نے خفا سی نگاہ اس پر ڈالی۔ موسم کی مناسبت سے جینز پر گرم شرٹ چڑھائے وہ لیدر کی براؤن جیکٹ کی ہاف زپ کھولے ہوئے تھا گویا کسی قدر مطمئن اور آرام دہ صورتِ حال میں ہو۔
وہ مزید شاکی ہوئی۔
"بہت اچھے حال میں ہوں۔ خدا کا شکر ہے۔"
اسے جلانے کے لیے کہا تو وہ برجستہ بولا۔
"ہاں وہ تو میں نے دیکھا۔ پچھلے دو گھنٹوں سے جیسے تم اپنی شادی کی شاپنگ کر رہی ہو، دل لگا کے۔"
زینیہ کو رونا آنے لگا۔ ایک تو وہ اتنی بڑی مشکل کا شکار تھی، اوپر سے وہ طنزیہ مذاق کرنے آن پہنچا تھا۔
"میرے بس میں جو کچھ ہے وہی کروں گی نا!" وہ تڑخی۔
"ہاں ٹھیک کہا۔ عورتوں کے بس میں سب سے اچھی صلاحیت شاپنگ کرنا ہی ہوتی ہے۔" وہ سر ہلا کر بولا۔
"آپ...." وہ غصے سے کچھ کہتے کہتے لب بھینچ گئی۔ اسجد نے دلچسپی سے اس کے لال بھبوکا ہوتے چہرے کو دیکھا۔
"مجھے اس طرح لانے کا کیا مقصد ہے؟" اس نے بے گانگی سے پوچھا۔
"آئم سوری تمہاری شاپنگ میں خلل پڑا۔ مگر میرا دل چاہ رہا تھا تم سے ملنے کو۔" وہ مزے سے بولا۔
"ملنے کو یا دل دکھانے کو؟" وہ کڑھی۔
دانستہ اس کی طرف دیکھ نہیں رہی تھی۔ اتنے شاندار بندے سے جدائی اب یقینی تھی تو دل کیوں نہ دکھتا۔
مگر ادھر تو جیسے کوئی پروا ہی نہ تھی۔ ذرا سی جو مسکراہٹ بھی ماند پڑی ہو۔
"میں کیوں دل دکھاؤں گا بھلا۔ ڈیڑھ گھنٹے سے تمہارے گھر کے باہر کھڑا ہوں۔ آئی مین گاڑی میں بیٹھا تھا۔ جب سے تمہارا ایس ایم ایس ملا کہ تم شاپنگ کے لیے جا رہی ہو آج۔"
وہ کہہ رہا تھا۔ زینیہ کا دل قدرے کھل سا گیا تو اسے فکر تھی۔ تب ہی تو پنڈی سے یہاں تک کا سفر کر کے آیا تھا۔
"کیا فائدہ اس دوڑ لگانے کا۔ اب کیا رہ گیا ہے باقی؟"
اسے یاد کر کے پھر سے رونا آیا تو وہ ضبط کرنے کو اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔
"فائدہ کیوں نہیں....؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا۔
"کوشش کر کے ہارنا سکون آور ہوتا ہے۔"
"اب کیا کوشش کریں گے آپ؟ دن ہی کتنے رہ گئے ہیں پیچھے۔ پہلے جب میں نے کہا تھا تو آپ کا جواب تھا کہ تمہیں خود کوشش کرنی ہے۔ تو پھر اب کیا تماشا دیکھنے آئے ہیں؟" وہ پھٹ پڑی۔ تو اسجد نے آرام سے کہا۔
"میں نے تو یہی سوچا تھا کہ تم کوئی اسٹینڈ لو گی۔"
"ہنہ...." اس نے سر جھکا۔
"میں امی ابو کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتی۔" پتہ نہیں یہ صاف گوئی تھی یا اپنی بزدلی کا اعتراف۔
"عاصم وہاں سے جانے کو تیار ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ تائی جان اب کبھی بھی دوبارہ ہمارے رشتے کے لیے ہامی نہیں بھریں گی، تاوقتیکہ لڑکے والے خود انکار نہ کریں۔"
ویٹر چائے رکھ گیا تھا۔ اسجد نے کپ اٹھانے کا اشارہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔
"ان کا دماغ خراب ہے۔ جو مجھے اتنی مہنگی شاپنگ کرا رہے ہیں۔ اگر انکار ہی کرنا ہوتا تو اس کے سستے طریقے بھی موجود تھے۔" وہ چڑ گئی۔
سر بری طرح دکھنے لگا تھا سو دل جمعی سے چائے کا کپ تھاما۔ ایسے میں قطعاً دھیان نہ رہا تھا کہ وہ ہونے والی ساس اور نند کے ساتھ آئی تھی.... اور اب وہ اسے ڈھونڈ نہ رہی ہوں۔ اسجد نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے نگاہ اس پر ٹکائی۔
جدید تراش کے لباس میں ملبوس دوپٹہ شانوں پہ

ڈالے وہ اچھی لگ رہی تھی۔ ایسے میں اس کا خفا سا انداز۔ اسجد کو وہ پہلے سے کمزور لگی۔

اس کی نگاہوں کی تپش نے زنیرہ کو پہلو بدلنے پر مجبور کر دیا۔ تو وہ مسکرا کر چائے ختم کرنے لگا۔ زنیرہ نے چائے ختم کر کے کپ رکھا اور کرسی کھسکا کر اٹھنے لگی۔ اسجد نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر اسے روکا۔

"کدھر۔۔۔؟"

"میں لیٹ ہو رہی ہوں۔ آنٹی اور نازیہ آپی مجھے ڈھونڈ رہی ہوں گی۔۔۔ او مائی گاڈ!"

اسے یک لخت ہی دھیان آیا کہ کیا غضب ہونے والا ہے۔ اگر وہ اس کے گھر پہنچ گئیں تو۔۔۔

"ڈونٹ وری زینی! میرے ساتھ ہو تم۔" وہ نرمی سے بولا۔

"کب تک؟" زنیرہ نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"جا کے سب کو جواب مجھے دینا ہے' آپ کا ایڈونچر تو یہیں پر ختم ہو جائے گا۔"

"بتاؤ نا چائے پینے رک گئی تھیں۔ سو واٹ۔۔۔؟"

وہ لاپروائی سے بولا تو زنیرہ نے اپنا ہاتھ کھینچا اور کرسی سے ٹیک لگا کے بیٹھ گئی۔

اسجد نے جیکٹ کی اندرونی جیب میں سے البم نکال کے اس کے سامنے رکھی۔

وہ مستفسرانہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کچھ یاد ہیں۔۔۔" وہ ہلکے سے مسکرایا۔

زنیرہ نے البم کھولی۔ پہلی ہی تصویر دیکھ کے اسے زوروں کا رونا آنے لگا۔

یہ تب کی تصویریں تھیں جب وہ پنڈی گئی تھی اور اسجد انہیں باہر لے کر گیا تھا۔ نمرہ اور کچھ احمر نے ان کی تصویریں بنائی تھیں۔ ڈھیروں تصویریں۔ جن میں صرف وہ اور اسجد تھے۔

کتنے پاس ہ کتنے شاداں و فرحاں۔ مستقبل کے اندیشوں سے بے خبر۔

آنسو اس کے رخساروں پر اتر آئے تھے۔ اسجد نے لب بھینچے۔

حقیقت تو یہ تھی کہ وہ بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

یہ کامنی سی لڑکی' بڑوں نے جسے اس کی شریک سفر بنایا تھا کیسے آرام سے اس کے دل میں اتر گئی تھی اور اب۔۔۔ ابھی تو خوابوں کا سفر شروع ہوا تھا۔ ابھی تو ان کی تعبیریں ملنی تھیں۔۔۔ اور یہ جدائی ...

یہ تو کہیں نہ تھی دونوں کے بیچ۔ پانسا ہی پلٹ گیا تھا۔

"تم پنڈی چلو میرے ساتھ۔" وہ دفعتاً بولا۔

زنیرہ نے البم بند کر کے پرے کھسکائی اور ہاتھوں سے چہرہ رگڑ کر گویا شکست و ریخت کے نشانات مٹانے کی سعی کی۔

"اس سے کیا ہو گا؟"

"سیاسی پناہ لے لو یار! تمہارا بھائی پہلے سے موجود ہے۔" وہ مسکرایا تو زنیرہ نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"آپ کو ایسی حالت میں بھی مذاق سوجھ رہا ہے۔"

"مجبور ہوں کیا کروں؛ تایا کی بیٹی ہو۔ ورنہ کہتا چلو کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"تمہیں یہاں تک نوبت آنے ہی نہیں دینی چاہیے تھی۔ انکار کرتیں اور پھر اس پہ ڈٹی رہتیں۔ مگر تم بہت بزدل ہو زندگی کو اپنے موڈ سے گزارا کرتے ہیں اس کے موڈ سے نہیں۔"

"ہاں۔ سارا قصور میرا ہی ہے۔ مجھے شوق ہو رہا تھا کسی اور سے شادی کرنے کا۔" وہ اس الزام تراشی پر غصے میں آ گئی۔

"اچھا چلو اٹھو۔ لانگ ڈرائیو پہ چلتے ہیں۔ پھر واپس بھی جانا ہے مجھے۔"

وہ بولا تو زنیرہ نے ملامتی انداز میں کہا۔

"آپ یہاں ٹائم پاس کرنے آئے ہیں؟"

"بے وقوف۔ واپسی پہ تمہیں گھر چھوڑوں گا۔ تایا جان سے ملوں گا۔" وہ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ زنیرہ کو خوف نے گھیرا۔

"نہیں میں ان ہی کے ساتھ واپس جاتی ہوں۔ گھر میں قیامت مچ جائے گی۔" اس نے موبائل اسکرین

پہ وقت دیکھا۔

"ابھی آدھا گھنٹہ ہی ہوا ہے۔ وہ شاید ہی آئی ہوں واپس۔"

"شٹ اپ۔ تم میرے ساتھ چل رہی ہو۔" وہ آرام سے بولا۔ بل کے پیسے ادا کیے اور اس کا ہاتھ تھام کر باہر لے آیا۔

"خدا کے لیے اسجد! کہیں ان لوگوں نے دیکھ لیا تو...!" وہ خوف زدہ ہوئی۔

"اچھا ہے۔ رشتہ ٹوٹنے میں مزید آسانی ہوگی۔" وہ لاپروائی سے کہتا اسے اپنی گاڑی تک لے آیا۔

"یہ ہے وہ گاڑی جس کی فرنٹ سیٹ پہ صرف تمہارا حق ہے۔" وہ محبت سے کہہ رہا تھا۔ زنیرہ کی پلکیں نم ہونے لگیں۔

"اب کیا ہوگا اسجد! کیا ہم کبھی مل نہیں پائیں گے؟" وہ زود رنج ہو رہی تھی۔

"نہیں کبھی کبھی مل لیا کریں گے۔" اگنیشن میں چابی گھماتے ہوئے وہ شرارت سے بولا تو وہ چلا اٹھی۔

"آپ بس یہی کر سکتے ہیں اور بس گھر چھوڑ دیں مجھے۔"

"اتنی جلدی ابھی تو لانگ ڈرائیو..." وہ معترض ہوا تو زنیرہ نے دانت پیسے۔

"بھاڑ میں گئی آپ کی لانگ ڈرائیو۔ آپ مجھے گھر چھوڑتے ہیں یا میں رکشہ کرلوں؟" وہ غصے سے لال ٹماٹر ہوگئی۔

"کم آن زینی! اتنا غصہ کیوں کر رہی ہو؟" پارکنگ لاٹ سے گاڑی نکالتے ہوئے وہ رسان سے بولا۔

"ہاں۔ میں کیوں غصہ کر رہی ہوں۔ مجھے تو خوشی سے پھولے نہیں سمانا چاہیے' آخر کو پانچ سالہ منگنی ٹوٹی ہے میری اور اس سے بھی بڑھ کے فخر تو اس بات پہ ہونا چاہیے کہ ساتھ ہی دوسرا رشتہ بھی مل گیا اور اب شادی کی تیاریاں جاری ہیں۔"

بے حد ضبط سے کہتے ہوئے بھی اس کی آواز بھرا گئی تو اسجد کو اپنی شرارت پر افسوس ہوا۔

"آئم سوری..."

"نہیں یہ معذرت تو مجھے کرنی چاہیے۔ میں ہی بے وقوف تھی جو محض زبانی کلامی بات کو پوری زندگی پر محیط کر بیٹھی تھی۔ آپ کو نہ تو پہلے مجھ میں انٹرسٹ تھا اور نہ اب ہے۔ اچھا ہی ہوا کسی لیڈی ڈاکٹر سے شادی کر لیجیے گا۔"

وہ تلخی سے بولی تو اسے ہنسی آگئی۔ پھر اس کے تاثرات دیکھ کر وہ جلدی سے بولا۔

"دیکھو اب تم خود مزاحیہ باتیں کر رہی ہو۔ ہنسی ہی آئے گی نا۔" مگر اس نے طے کر لیا تھا کہ اب ایک لفظ بھی نہ بولے گی۔ گھر آنے تک وہ بُت بنی ونڈ اسکرین کے پار دیکھتی رہی۔

اسجد گہری سانس بھر کے رہ گیا۔

کامران کے گھر سے آئی گاڑی وہیں کھڑی تھی ڈرائیور سمیت۔

"آپ جائیں۔ وہ لوگ بھی گھر میں ہیں۔" وہ بعجلت کہتی نیچے اتری' مبادا کوئی گھر سے نکل ہی نہ آئے۔

"تو میں بھی مل لیتا ہوں نا! پانچ سال پرانا منگیتر ہوں تمہارا۔" اس نے ہانک لگائی تو اسے زخمی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی نیم وا گیٹ سے اندر داخل ہوگئی۔

اندر آنے تک اسجد کا ساتھ بھلا بیٹھی تھی صرف زبان پر جل تو جلال تو کا ورد تھا۔ اسے خبر تھی کہ عافیہ بیگم اس کا حشر کرنے والی ہیں۔

"میں تو کال کر کر کے تھک گئی مگر اس کا سیل آف ہے شاید..." فاریہ کی آواز کوریڈور کے سرے پر ہی اسے الرٹ کر گئی۔ اسے خیال آیا اپنا موبائل اس نے آف کر کے پرس میں ڈال رکھا تھا وہ رک گئی۔

"خدا خیر کرے۔ شہر کے حالات ویسے بھی ٹھیک نہیں۔" کامران کی امی کی آواز ہی سے پریشانی ٹپک رہی تھی۔

"میں نے تو جیتی جاگتی بچی آپ کے حوالے کی تھی۔ مجھے تو سمجھ نہیں آئی کہ..." عافیہ بیگم اپنے لہجے کی تیزی پر کنٹرول نہیں کر پائی تھیں۔

"کمال کرتی ہیں آنٹی! آپ کا خیال ہے کہ

خدانخواستہ ہم نے اسے کہیں اِدھر اُدھر کر دیا ہے۔"
نازیہ کو غصہ آیا۔

"اتنی آسانی سے آپ بری الذمہ بھی نہیں ہو سکتیں ہم نے اسے آپ کے ساتھ بھیجا تھا اور اب صورت حال یہ ہے کہ اس کا کہیں اتہ پتہ نہیں اور موبائل بھی آف ہے۔" فاریہ نے بھی انہی کو موردِ الزام ٹھہرایا تو وہ دونوں ماں بیٹی غصے میں آ گئیں۔ دونوں طرف سے تندو تیز مکالموں کا تبادلہ جاری تھا۔

زنیرہ کو منظر عام پر آنے کے لیے اپنی تمام تر ہمت مجتمع کرنا پڑی۔ اس کے لاؤنج کے سرے پر نمودار ہوتے ہی ایک دم خاموشی چھا گئی۔

"یہ لیں۔ آ گئی آپ کی بچی!" کامران کی امی نے طنزاً کہا۔ عافیہ بیگم بے اختیار اس کی طرف بڑھیں۔

"کہاں تھیں تم زنیرہ! پتہ ہے سب کس قدر پریشان ہو رہے تھے۔" وہ خاموش رہی۔ ایک دل ہی تھا جو باآواز بلند خوف سے دھک دھک کر رہا تھا۔

"پوچھ لیں اس سے ہم نے تو اسے گاڑی ہی میں بیٹھنے کو بھیجا تھا۔" نازیہ نے تلخی سے کہا۔

"کہاں تھیں تم....؟" فاریہ نے سختی سے پوچھا۔ اسے بگڑتی صورتِ حال کا ادراک ہو رہا تھا۔

"وہ... میں پلازہ سے نکلی تو مجھے گاڑی نظر ہی نہیں آئی۔ میں واپس گئی تو یہ لوگ بھی نہیں ملیں۔ میں کتنی دیر وہاں ڈھونڈتی رہی۔" تھوک نگلتے ہوئے اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

"اور تمہارا موبائل....؟" عافیہ بیگم نے اس کی ہوائیاں اڑتی شکل کو بغور دیکھا۔

"وہ اس کی بیٹری آف ہو گئی ہے۔ آئم سوری۔" وہ باری باری سب کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

"میرے خیال میں ہم چلتے ہیں۔ کافی دیر ہو گئی ہے۔" نازیہ نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

"سوری نازیہ بیٹا! بس جذبات میں آ کر میں کچھ الٹا سیدھا کہہ گئی۔"

عافیہ بیگم کو سدھیانے کا خیال آیا تھا۔

"کچھ نہیں، آپ کافی کچھ الٹا سیدھا کہہ گئی ہیں۔" نازیہ نے انہیں جتایا۔ تو وہ شرمندہ ہی ہو گئیں۔

"سچویشن ہی ایسی تھی بیٹا! ورنہ ایسے رشتے تو باہمی اعتماد کی بنیاد پر ہی طے ہوتے ہیں۔" فاریہ کی نگاہ سپاٹ چہرہ لیے کھڑی زنیرہ پر تھی۔ اسے بات کچھ اور ہی لگ رہی تھی۔

"بہرحال۔ اب کافی دیر ہو گئی ہے۔ ہم چلتے ہیں۔ پھر ملاقات ہو گی۔ ابھی تو ٹینشن سے ویسے بھی طبیعت بگڑی ہوئی ہے۔"

کامران کی امی کا موڈ بھی کچھ خاص اچھا نہ تھا۔ عافیہ بیگم اور فاریہ ان کے آگے بچھ بچھ گئیں مگر فی الحال وہ رکنے کے موڈ میں قطعاً "نہ تھیں۔ کھڑے کھڑے ہی رخصت ہوئیں۔

عافیہ بیگم نے گہری سانس بھری۔

"کہاں گئی تھیں تم....؟" فاریہ نے شکی انداز میں پوچھا تو عافیہ بیگم بھی چونکیں۔

"سیدھی گھر آ رہی ہوں۔ کہیں جانا ہوتا تو کیا واپس آتی؟" اس نے الٹا پوچھا وہ اب مطمئن تھی۔

"مجھے پتا تھا تمہاری بے وقوفی کوئی نہ کوئی رنگ ضرور دکھائے گی۔ اتنی بڑی گاڑی نظر نہیں آئی تمہیں۔ لے کے ہماری بھی عزت خوار کر دی۔ میں تو ان پر چڑھ دوڑی تھی.... سمجھ میں نہیں آ رہا اب کیا بنے گا۔ وہ دونوں تو بڑی ناراض گئی ہیں۔"

"میرا تو کوئی قصور نہیں اور یہ کوئی اتنی بڑی بات بھی نہیں کہ اس کا ایشو بنایا جائے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

وہ لاپروائی سے کہتی اپنے کمرے میں چلی آئی۔

مگر مستقبل اس کے سامنے سوالیہ نشان کی مانند تھا۔ آج اسجد کا رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔ اس کے انداز میں وہ شدت وہ تڑپ مفقود تھی جو جدائی کے خیال سے ہونی چاہیے تھی۔

اسے یاد آیا پنڈی رہائش کے دوران وہ کیسے پل پل اس کا خیال رکھتا تھا۔ اس کی باتیں اس کے انداز اس کی محبت۔

یونہی تو وہ زنیرہ کے دل و دماغ میں نہیں سما گیا تھا۔

مگر اب ---؟ زنیرہ کو رونا آ گیا۔

اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اسجد کا رویّہ تو ایسا تھا، جیسے کہہ رہا ہو کہ جان بچی سو لاکھوں پائے، کتنے آرام سے اس نے کہہ دیا تھا کہ اب جو بھی کرنا ہے تم ہی کو کرنا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ زنیرہ اس معاملے میں اتنی ہی بے بس ہے جتنا کہ وہ خود۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن عاصم چلا آیا۔

عافیہ بیگم یوں لاپروا تھیں جیسے کچھ معاملات ہوئے ہی نہ ہوں۔

"آپ زنی کے ساتھ اچھا نہیں کر رہیں۔" وہ تو یوں بھی ماں کے سامنے بول لیا کرتا تھا، شادی کے بعد تو اور بھی منہ پھٹ ہو گیا تھا۔ بقول عافیہ بیگم کے۔

"تم نے بہت اچھا کیا ہے سب کے ساتھ۔ جو اس کی حمایت کا جھنڈا اٹھا کے چلے آئے ہو۔" وہ تنک کر بولیں۔

"آپ کی ناراضی مجھ سے تھی۔ اسجد اور زنیرہ کی زندگی کیوں برباد کر رہی ہیں؟" وہ تپ گیا۔

"یہ سب تمہاری دادی کی پڑھائی پٹیاں ہیں۔ تمہیں تو لے ہی گئیں۔ بیٹی کو بھی اسی کھائی میں پھینک دوں۔"

وہ تنفر سے بولیں تو وہ چلا اٹھا۔

"ابھی بھی آپ یہی کر رہی ہیں۔ جانتی کیا ہیں آپ کامران رضا اور اس کے خاندان کے بارے میں۔ بس ضد میں آ کر جو پہلا رشتہ ملا اس کو ہاں کر کے زنیرہ کو ٹھکانے لگانا چاہ رہی ہیں۔"

"چلاؤ مت۔ یہ تمہاری دادی کا گھر نہیں ہے۔" وہ ناگواری سے بولیں۔

"ہو بھی نہیں سکتا۔ وہاں ہر کسی کو جائز بات کہنے کا حق ہے، چاہے کتنی بھی اونچی آواز ہو۔" وہ تلخی سے بولا۔

"تو جاؤ۔ رہو وہاں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ۔ یہاں کیا ڈراما کرنے آئے ہو۔" انہوں نے بے زاری سے کہا۔

عاصم نے تاسف سے ماں کو دیکھا۔

ساری عمر جنہوں نے فقط اپنے آپ ہی کو دیکھا تھا۔ اپنے جذبات و احساسات اور مفادات کو ہمیشہ دوسروں کے جذبات پر فوقیت دی تھی۔

وہ ان لوگوں میں سے تھیں جو زندگی کی بساط پر اپنی ترجیحات ہمیشہ سیٹ کر کے رکھتے ہیں اور کسی کو اجازت نہیں دیتے کہ ان کے مہروں کو اِدھر اُدھر کرے۔

مگر یہاں بے جان مہرے کی نہیں، بلکہ زنیرہ کی زندگی کا سوال تھا۔ جسے وہ کسی طور برباد نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔

"جس شخص کو آپ نے زنی کے لیے چنا ہے وہ اچھی شہرت نہیں رکھتا۔ جلد بازی مت کریں۔ آپ اسجد سے اس کی شادی مت کریں، مگر کم از کم اسے یوں کھائی میں تو نہ دھکیلیں۔" وہ بے حد تلخی سے کہہ رہا تھا۔

عافیہ بیگم نے ہاتھ ہلا کر گویا مکھی اڑائی پھر حقارت سے بولیں۔

"جانتی ہوں میں۔ ارے سب کے سینوں پہ سانپ لوٹ گئے ہوں گے۔ یوں چٹکیوں میں (انہوں نے چٹکی بجا کے دکھائی) اچھا رشتہ جو مل گیا۔ تماشا دیکھنے کی حسرت رکھنے والوں کے منہ پر ہی جوتی پڑی ہے۔"

"لاحول ولا...." ان کے اتنے غرور و تنفر پر عاصم سر جھٹک کر رہ گیا۔ غرضیکہ لمبی بحث۔ جھگڑا چیخنا چلانا۔ کچھ بھی عافیہ بیگم کو اپنے ارادے سے ایک انچ بھی نہ ہلا سکا تھا۔

"بہت پچھتائیں گی آپ۔"

"ارے چل، ماں کو دھمکاتا ہے خبیث! جو تو کر کے گیا ہے وہ بھی دیکھ چکی ہوں میں۔ بالشت بھر کی چھوکری انگلیوں پہ نچا رہی ہے تجھے۔" وہ ہر رشتہ بھولی ہوئی تھیں۔

ناچار عاصم کو واپس لوٹنا پڑا۔

اسجد کے گھر والوں نے شبیر احمد کی بہتیری منت سماجت کی مگر ان کی نہ کو ہاں میں نہ بدل سکے۔
بارات دیے گئے وقت پر ہی ان کے دروازے پر آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے بچے تو کچھ کرتا کیوں نہیں۔ اتنے آرام سے تیار ہو رہا ہے جیسے بڑی خوشی کی شادی میں شرکت کے لیے جا رہا ہے۔"
دادی اماں کو اسجد کے ہیرو بن کے پچویشن کو نہ بدلنے پر بڑا رنج تھا۔ اب بھی اسے ٹوکے بغیر نہ رہ سکیں۔

"ہاں تو شادی کا مطلب ہی خوشی ہوتا ہے۔ جا کے پرسہ تو دینے سے رہے۔" وہ لاپروائی سے بولا۔
"نہ تو وہاں جا کے دل دکھانے سے کیا فائدہ۔"
وہ کسی طور شادی میں شریک ہونے کو راضی نہ تھیں۔ بھلا وہ زنیرہ کو دیکھ پاتیں۔۔۔ مگر عافیہ بیگم یہاں بھی دل دکھانے سے باز نہ آئی تھیں۔ انہیں بمعہ اہل و عیال شادی پہ انوائٹ کیا گیا تھا اور اسجد نے اس دعوت نامے کا یوں خیر مقدم کیا تھا گویا اپنی ہی شادی کا کارڈ ہو۔ بلکہ بارات میں شرکت کے لیے اس نے اپنا شاندار سا سوٹ بھی بنوایا تھا۔
اس کی پراسرار سی سرگرمیاں گھر میں کسی کو ہضم نہ ہو رہی تھیں۔ وہ اور عاصم گزشتہ ہفتے کتنی ہی بار شہر سے باہر گئے تھے۔ نجانے کیا کرتے پھر رہے تھے۔
سب گھر والوں کو شادی میں شرکت کا سختی سے آرڈر تھا۔ ادھر عاصم بھی مطمئن تھا۔ زنیرہ کی شادی کی خبر سن کر اس پر جو بے چینی طاری تھی اب اس کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا تھا۔ واللہ عالم۔۔۔

☼ ☼ ☼

مقررہ روز وہ بارات کی آمد سے کافی پہلے پہنچ گئے۔ اسجد کے سمجھانے پر سب ہی بڑی مروّت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔
"رشتے ٹوٹنے سے رشتے تو ختم نہیں ہو گئے نا اور جب میں نے ہر بات خدا پہ چھوڑ دی ہے تو آپ بھی اس کی رضا میں راضی ہو جائیں۔"
اسجد نے کہا تھا اور سبھی نے دیکھا وہ کتنے وقار اور برداشت کے ساتھ شادی میں شریک ہوا تھا۔ وائٹ ایمبرائیڈڈ نیوی بلیو پرنس سوٹ میں اس کی وجاہت قابل دید تھی۔ وہ سلام کر کے حسبِ عادت عافیہ بیگم کے آگے پیار لینے کے لیے جھکا تو ایک لمحے کو تو وہ بھی پچھتاووں میں گھرنے لگیں۔
ایک تو ڈاکٹر اوپر سے لاکھوں میں ایک۔
چلو خیر۔ ڈاکٹر نہ سہی پروفیسر ہی سہی۔ ہزاروں میں ایک تو کامران بھی ہے۔ انہوں نے جلد ہی خود کو اس پچھتاوے کی گرفت سے نکال لیا تھا اندر ہی اندر وہ ان سب کی برداشت اور ہمت پر حیران بھی تھیں‘ جو انہوں نے اس شادی میں شرکت کر کے دکھائی تھی۔ دیکھنے والے‘ دوست رشتہ دار بھی انگشت بدنداں تھے۔ ایسی رشتہ داری نبھانا تو ان لوگوں سے سیکھنا پڑے گا اور ادھر رات مہندی کے فنکشن میں رو رو کر اپنی حالت خراب کر لینے والی زنیرہ پر دلہن بننے کے بعد تو جیسے چپ طاری ہو گئی تھی۔
اس نے اسجد کے ہر خیال کو خدا حافظ کہہ دیا تھا۔ بے ایمان بن کے کسی کے نکاح میں جانا اسے قبول نہ تھا۔
مگر دل تھا کہ ایک چپ سی طاری تھی‘ دماغ تھا کہ ہزاروں سوچیں اور کسی ایک پر مرتکز رہنے کی سکت نہ تھی۔
وہ جو ابھی تک خدا سے لڑتی آ رہی تھی۔ اس سے شاکی تھی خفا تھی اب مان گئی۔
"میں تیری رضا میں راضی ہوئی میرے پروردگار‘ تو نے بہتر کے بدلے بہترین کا وعدہ کیا ہے تو یقیناً میرے لیے اس نئی زندگی میں بہتری ہو گی۔ میں جس کے قابل ہوں مجھے اسی کا نصیب بنائے گا۔ مجھے تجھ سے کوئی شکوہ نہیں۔ ہر زمین ایڑیاں رگڑنے کے لیے نہیں ہوتی کیونکہ ہر زمین کے نیچے آبِ زم زم نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہر ضد کا انجام خواہش کا پورا ہو جانا نہیں ہوتا

یہ میں نے جان لیا ہے۔"
اور پھر بارات آ گئی۔ پندرہ بیس لوگوں پر مشتمل مختصر سی بارات کا شایان شان طریقے سے استقبال کیا گیا تھا۔

اسجد نے نگاہوں ہی نگاہوں میں عاصم سے استفسار کیا تو وہ فوراً" ہی موبائل سے کوئی نمبر ملانے لگا اور پھر کچھ دیر بات چیت کرنے کے بعد اسے انگوٹھا دکھا کر سب سیٹ ہے کا اشارہ کیا تو وہ مطمئن سا اپنی پریشان فیملی کے ساتھ جا بیٹھا۔ نمرہ اور احمر بھی سوگوار سے بیٹھے تھے۔ بلکہ نمرہ تو وقفے وقفے سے اپنی آنکھوں کی نمی خشک کر رہی تھی۔ اس کی ہمت نہ ہوئی تھی کہ جا کے زینیہ کو دولہن بنا ہی دیکھ لیتی۔

"ہم اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر پائے۔۔۔" وہ آزردہ تھی اور پھر نکاح سے کچھ دیر پہلے وہ واقعہ رونما ہو گیا جو صرف ٹی وی نیوز ہی میں دیکھنے کو ملتا تھا۔

دولہا یعنی کامران رضا کی دوسری بیوی اپنے بھائیوں بھابیوں اور ماں کے ساتھ وہاں آن پہنچی۔ ساتھ میں اس کے دو بچے کامران کی ماں بہن کے رنگ تو بدلے ہی تھے خود دولہا میاں کی شکل دیکھنے والی تھی۔ تو تکار گالی گلوچ۔۔۔ غرضیکہ سب کو خوب ہی ڈراما دیکھنے کو ملا اور اس کے بعد سب عورتوں نے مل کے دولہا کی جو ٹھکائی کی وہ مدتوں یاد رہنے والی تھی۔

تیسری شادی کی خواہش میں آنے والا دولہا اپنی دوسری بیوی اور اس کے گھر والوں سے مار کھا کر ان کے آگے لگ کے میرج ہال سے چلا گیا۔ عافیہ بیگم ششدر تھیں تو شبیر احمد پر بھی بجلی گری تھی۔ ان کی عزت مٹی میں مل گئی تھی۔

عافیہ بیگم کا سارا غرور و طنطنہ خدا نے ایک ہی پلے میں مٹی میں ملا دیا تھا۔ ان کی بساط الٹ گئی تھی۔ ان کو شہ مات دینے والی ذات بہت طاقت ور تھی۔

☼ ☼ ☼

فاریہ زرد پڑتی رنگت لیے گرتی پڑتی برائیڈل روم میں آئی یہ دولہن بنی زینیہ کو چھوڑ کر "دولہا" دیکھنے گئی

تھی۔ مگر اب واپس آکر وہاں کے ٹھنڈے، تکے اور لاتوں کی تفصیل بتانے کی ہمت کہاں سے لاتی۔ زنیرہ کے آگے رو ہی تو پڑی۔

"دولہا بھاگ گیا ہے زینی!" اور زنیرہ نے اسے یوں دیکھا جیسے بات سمجھی نہ ہو۔

"کامران شادی شدہ نکلا..... بلکہ یہ تیسری شادی تھی۔ پہلی بیوی کو طلاق دے چکا ہے۔ دوسری بیوی اور اس کے گھر والے اسے مار پیٹ کے لے گئے ہیں۔" زنیرہ ساکت بیٹھی تھی۔

اس قدر ذلت.... باہر کی دنیا میں جو تماشا ہوا تھا وہ اسی کے نام کا تھا۔

"یا خدا۔! کون سا گناہ؟ میرے رب۔ ایسی کڑی آزمائش۔" اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔

فاریہ اسے خود سے لپٹا کر رونے لگی۔

اس کے ساتھ واقعی بہت برا ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اس پورے ہال میں جب یہ تماشا ہوا تو فقط دو نفوس ایسے تھے جو پاؤں پسارے کرسیوں پر براجمان سینے پہ بازو لپیٹے بیٹھے تماشا دیکھتے رہے.... اسجد اور عاصم۔ باقی سب ہی گھر والے ہی افتاں و خیزاں معاملے کی تحقیق کے لیے بھاگے تھے۔

اور اب جبکہ شبیر احمد کا اونچا شملہ مٹی میں رُل رہا تھا تو انہیں سب سے پہلے گلے سے لگانے اور ان کی ہمت بندھانے والے چچا جان تھے۔

عافیہ بیگم تو شرم سے مر جانے کو تھیں۔ روئے چلی جا رہی تھیں۔ بیٹی کی بربادی کا خوب احساس ہو رہا تھا۔

"ایک بارات ہم بھی لائے ہیں شبیر احمد! کیا بیٹی کو ہمارے ساتھ رخصت نہ کرو گے؟"

دادی اماں کو تو یوں بھی اپنی سی کرنے کی عادت تھی بڑے فخر اور مان کے ساتھ بیٹے سے کہا تو وہ ماں سے لپٹ کر رو دیے۔

عافیہ بیگم کا غرور منہ کے بل گرا تھا۔ کیا اس سارے تماشے کے دوران انہوں نے کئی رشتہ داروں کے ہونٹوں پر دھیمی مسکراہٹیں نہ دیکھی تھیں؟

وہ کیونکر نہ موم ہوتیں چچی جان کے سامنے بلکہ انھیں تو انہوں نے سینے سے لگا کر عزت دی۔

"جو تماشا ہو چکا اسے بھول جاؤ۔ جو گھر کی باتیں ہیں انہیں باہر نکلنے کا موقع مت دو۔ بڑے فخر کے ساتھ بچی کو رخصت کرو۔" دادی اماں نے نصیحت کی تو عافیہ بیگم کو پہلی بار ان کی نصیحت بری نہیں لگی۔

☼ ☼ ☼
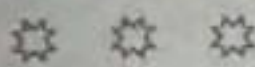
وہ بدک اٹھی۔

نکاح خواں اور گواہ اندر تشریف لے آئے تھے۔

"کون؟"

اور اسجد کا نام سن کر وہ ساکت رہ گئی۔ (تو قربانی کا بکرا یہ)

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ ایجاب و قبول کے مراحل طے ہوئے، نکاح نامے پہ دستخط کیے اور اپنا آپ اسجد کے نام کر دیا..... مگر اس طرح سے۔

"مجھے معاف کر دینا زینی! میں بہت بری ماں ہوں بلکہ بری عورت کہو۔ تب ہی تو کسی بھی رشتے کو اچھے سے نہیں نباہ سکی۔"

رخصتی کے وقت عافیہ بیگم اسے گلے سے لگا کے معافی مانگتے ہوئے رو پڑیں تو اس کے بھی ضبط کا ہر بندھن ٹوٹ گیا۔

"اتنا اچھا فیصلہ ہو گیا اس کا مطلب یہی ہے کہ خدا نے ہمیں معاف کر دیا ہے۔ جبھی تو کھائی میں گرنے سے بچا لیا۔"

شبیر احمد زندگی میں پہلی بار اتنے عاجز دکھائی دیے تھے۔

"خدا کا شکر ہے یار! دوسری بارات ٹائم پہ پہنچ گئی میں تو ڈر ہی رہا تھا۔"

عاصم اسجد کے ساتھ چپکا ہوا تھا۔

"ابے سالے! میں تیرا اینڈ بجا دیتا اگر آج میرا اینڈ نہ بجتا تو۔" وہ زیر لب مسکرا رہا تھا۔

نمرہ خوش تھی، احمر شاد اور قاسم کی خوشی کا تو کوئی

ٹھکانہ ہی نہ تھا۔

یہ سب عاصم اور اسجد ہی کی انویسٹی گیشن اور پھر پلاننگ کا نتیجہ تھا۔ کامران کی دوسری بیوی اور گھر والوں کو ان ٹائم بلا کر سارا معاملہ ختم کرا دیا۔

وہ چاہتے تو ایک آدھ دن پہلے بھی کامران کی پول کھول سکتے تھے مگر امید واثق تھی کہ عافیہ بیگم، زینیہ کے لیے کوئی اور رشتہ ڈھونڈنے نکل پڑتیں۔ کیونکہ چور چوری سے جاتا ہے، ہیرا پھیری سے نہیں۔

مگر یوں ان ٹائم وہ جانتے تھے، اسجد ہی فرسٹ چوائس ہو گا اس لیے مجبوراً" کامران کی بیوی کو عین بارات والے دن کا ٹائم دینا پڑا۔ جس کا کلائمکس بہت خوب ہوا تھا۔

تین گھنٹوں کے مسلسل سفر کے بعد وہ لوگ پنڈی پہنچے تو رات کے تین بج رہے تھے۔۔۔ نیند اور تھکاوٹ سے سب کا برا حال، مگر خوشی، ہر تکلیف پہ حاوی ہو رہی تھی۔

عاصم اور اس کی فیملی وہیں رہ گئے تھے اور گھر والوں کے ساتھ ہی اب ولیمہ میں شرکت کے لیے آتے جو آرام و سکون کے ساتھ دو دن بعد منعقد کیا جانا طے پایا تھا۔

عافیہ بیگم نے کھلے دل اور کھلے بازوؤں کے ساتھ بیٹے، بہو اور پوتوں کا استقبال کیا تھا۔

اسجد کمرے میں داخل ہوا۔ ہینڈ لاک دبا کر پلٹا تو ٹھٹک سا گیا۔ وہ بیڈ کی بجائے کرسی پر براجمان تھی۔ اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

سرخ زرتار لہنگے میں وہ بے حد حسین دلہن بنی تھی مگر سینے پہ بازو لپیٹے خفا اور ناراض۔

وہ مسکرایا۔ مگر ادھر وہی تیوری پہ بل۔

اسجد نے بازو وا کر دیے۔

مگر وہ کوئی فلم کی ہیروئن نہیں تھی کہ بھاگ کے سینے سے لگ جاتی اور دی اینڈ ہو جاتا۔

"یہ سب کیا ڈراما ہے؟"

وہ تلخی سے بولی تو گہری سانس بھر کے اسجد نے بازو نیچے کیے اور چند قدموں کا فاصلہ طے کر کے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"مجھے شک تھا کہ تم گولڈن نائٹ کو یونہی ضائع کرو گی منکر نکیر!"

"مجھے صرف سچ جاننا ہے۔" وہ بضد تھی۔

"سچ بتاؤں۔۔۔؟ مجھے تمہارے ہونٹوں کا خم بہت اچھا لگتا ہے۔"

وہ سرگوشی میں کہتا اس کی طرف جھکا تو وہ برافروختہ سی پیچھے ہٹی۔ اسجد نے اس کی چوڑیوں بھری کلائی تھام لی۔

"یہ سب اللہ کی مرضی ہے زینی! تم میرے لیے اور میں تمہارے لیے تھا۔ پھر ہم کسی اور کا نصیب کیسے بن سکتے تھے۔۔۔ ہوں؟" بڑی سہولت سے اسے بانہوں کے گھیرے میں لیتے ہوئے وہ نرمی سے بولا تو مارے تشکر کے زینیہ کی آنکھیں بھر آئیں۔

"میں نے سوچا گھر والوں نے آپ کو قربانی کا بکرا بنا ڈالا۔"

"شاباش! میں اسپیشل سوٹ بنوا کے اسی موقع کے لیے پہن کے گیا تھا۔ مگر تمہیں میرے متعلق کبھی کوئی اچھا خیال آیا تھا جواب آتا۔" وہ کراہا۔

"اور اگر وہ شادی شدہ نہ ہوتا تو پھر کیا ہوتا۔۔۔؟" وہ اس کی بانہوں کے گھیرے میں بھی پریشان تھی۔ اسجد نے اسے اپنے سامنے کیا۔

"ششش۔" اس کے ہونٹوں پہ انگشت شہادت رکھی۔

"یہ خدا کے فیصلے ہیں زینی جان! اور وہ جو چاہتا ہے ویسے ہی ہو جاتا ہے۔ اگر تم میرا نصیب نہ ہوتیں تو میں کوئی بھی حربہ آزما لیتا ناکام ہی رہتا۔"

"تھینک گاڈ!" وہ بھیگی آنکھوں سمیت ہنس دی تو اسجد نے دلچسپی سے دھوپ چھاؤں کا یہ منظر دیکھا۔

"ہاں۔ تھینکس ٹو گاڈ۔۔۔! اور اب تو۔۔۔؟"

اس نے شرارت سے کہتے ہوئے بازو کھولے تو وہ شرماتی لجاتی ہوئی اس کی پناہوں میں آ گئی۔

وہ خدا کی رضا میں راضی ہوئی تو خدا نے اپنی رضا کو اس کی رضا بنا ڈالا تھا۔ اس کی چاہتوں کے پھول رلو کی دھول بننے سے بچ گئے تھے۔